مکاتیبِ مولانا عُبیداللہ سندھی

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری سندھی

ناشر
مولانا عُبیداللہ سندھی اکیڈمی پاکستان
کراچی ۷۵۸۰۰

مکاتیب

مولانا عبید اللہ سندھیؒ

مرتب: ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری سندھی

ناشر: مولانا عبید اللہ سندھی اکیڈمی پاکستان

طابع: المحزن پرنٹرز۔ پاکستان چوک، کراچی

اشاعت: ۱۹۹۷ء (اول)

قیمت: ۱۲۰ روپے

ملنے کے پتے

(۱)

مکتبہ شاہد

۱/۹ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۷۵۸۰۰

(۲)

مکتبہ رشیدیہ

نزد مقدس مسجد، اردو بازار

کراچی ۷۴۲۰۰

۱۴ اور ۱۵ اگست ۱۹۹۷ء

پاکستان اور ہندوستان کی آزادی

کے پچاس سالہ جشن مسرت کے موقع پر

دونوں ملکوں کی ترقی و خوش حالی، اختلافات کے

منصفانہ و آبرومندانہ تصفیے

اور

دونوں ملکوں کے مابین خوش گوار برادرانہ تعلقات کی استواری

کے آرزو مند

اراکین

ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

مولانا عبیداللہ سندھی اکیڈمی

اور

مجلس یادگار شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی

پاکستان

فہرست مضامین

پیش لفظ

یہ کتاب پروفیسر محمد اسلم (لاہور) اور ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری (کراچی) کی دو تحریروں اور مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ جو حضرت سندھی کے چالیس سالہ یوم وفات کے یادگار پروگرام کے سلسلے میں شائع کیا جاتا تھا لیکن اب مزید تین سال گزرنے کے بعد شائع کیا جارہا ہے۔

اقبال شیدائی کے نام خطوط پروفیسر محمد اسلم نے جمع کیے تھے اور ان کے تعارف میں ایک تحریر کے ساتھ جامعہ پنجاب' لاہور کے ایک علمی مجلّے میں شائع کردیے تھے۔ اس کے چند آف پرنٹس بعض دوستوں کو تحفہ عنایت فرمائے تھے۔ اس طرح یہ خطوط شائع ہوجانے کے باوجود کم یاب رہے اور تمام شائقین اور اہل علم کی دسترس میں نہ آسکے اور اب تو ایک مدت سے یہ خطوط نایاب اور ناپید تھے۔

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری نے جن خطوط و تحریرات کو جمع کیا ہے ان میں کچھ پہلی بار شائع کی جارہی ہیں اور کچھ پیشتر کہیں نہ کہیں چھپ چکی تھیں' لیکن ۱۹۱۳ سے اب تک ۸۵ برس کے رسائل و اخبارات میں منتشر اور چھپی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ذوق و تحقیق نے ان جواہر پاروں کو تلاش کر کے شائقین علم اور عقیدت مندان مولانا عبید اللہ سندھی کے لیے اس مجموعے میں مرتب کردیا ہے اور ان کے تعارف میں جابجا تمہیدی عبارتوں اور حواشی میں ضروری وضاحتوں سے انھیں مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

یہ تحریرات اور خطوط جو اس مجموعے میں شامل ہیں' دینی' تاریخی اہمیت اور علمی' دینی' سیاسی افادیت میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

اقبال شیدائی کے نام خطوط میں بعض قادیانی شخصیات اور ان سے تعلقات کا کسی طور سے ذکر آیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے۔

(۱) مولانا عبید اللہ سندھی حنفی مسلک، اور دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک عالم دین تھے۔ ان کے تمام دینی عقائد ان ہی دوایر میں تلاش کیے جانے چاہییں جو عقائد اس مسلک، اور مکتبہ فکر کے اسلاف کے تھے، ٹھیک ٹھیک وہی عقائد مولانا سندھی کے تھے۔ نہ اس سے کچھ کم نہ اس سے زیادہ۔

(۲) سیاسی مسلک میں وہ اپنے عظیم استاذ شیخ الہند محمود حسن دیوبندی اور استاذ الاساتذہ حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے افکار و رہنمائی کو ہندوستان کے مخصوص حالات میں کافی اور صحیح ترین سیاسی مسلک سمجھتے تھے۔

(۳) مولانا سندھی حضرت قاسم العلوم اور ان کے سلسلہ اساتذہ کے ذریعے ولی اللہی خاندان کے اکابر اور اس کے عظیم بانی امام الہند حضرت شاہ ولی دہلوی اور ان کے علوم و معارف کے سب سے بڑے عاشق، بے مثال محقق تھے اور عظیم شارح تھے انھیں علوم میں فکر و تدبر کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا اور انھیں کی تعلیم، تالیف و تدوین اور اشاعت ان کی زندگی کا مشن تھا۔

(۴) ایک زمانے تک مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعاوی کے رد و انکار کے باوجود اس جماعت (اب مستقل مذہب) کے بعض اکابر مثل حکیم نور الدین بھیروی، مولوی محمد علی (لاہوری) خواجہ کمال الدین سے ہمارے بزرگوں سے علمی روابط اور نج کی ملاقاتوں میں بحث و مباحثہ اور اعراض و ایراد کے ساتھ معاشرتی سماجی تعلقات تھے، لیکن بعد میں جوں جوں اس جماعت کا تشدد اور عقائد کا فساد بڑھتا گیا، علمی و معاشرتی تعلقات میں بھی دوری بڑھتی گئی تا آں کہ اب پاکستانی قومیت کے دایرے کے سوا افکار و معاشرت کے شاید ہی کسی دایرے میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے تعلقات ہوں۔

(۵) قادیانیوں کی سیاسی تاریخ انگریز پرستی کی تاریخ رہی ہے۔ لیکن جس طرح اس صدی کے آغاز سے علی گڑھ کی انگریز پرستانہ تحریک سے نکل کر کچھ لوگ تحریک آزادی وطن میں شامل ہو گئے تھے، اسی طرح قادیانی تحریک کے چند افراد بھی متاثر ہوئے تھے اور استقلال وطن کی تحریک میں شریک ہو گئے تھے۔ لیکن یہ اثر محض چند افراد تک محدود رہا۔ بنوعی طور قادیانیوں کے انگریز پرستانہ مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ علی گڑھ تحریک پر حالات اور وقت

کے زیادہ وسیع اور گہرے اثرات تھے۔ اس تغیر وانقلاب کے پس منظر اور محرکات میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی شخصیت اور آزادی وطن کی ان کی انقلابی تحریک کے اثرات خاص طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہ ایک الگ موضوع ہے۔

(۶) ولی اللّٰہی جماعت کے متوسطین اور متاخرین نے اولاً یہی چاہا تھا کہ وہ اپنی ہمت اور قوت بازو سے ملک کو آزاد کرادیں گے، لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے تجربات ومشاہدات نے اس بات کو ناممکن اور محال ثابت کردیا۔ حالات اس سے بہت زیادہ سنگین تھے جن کا اندازہ کیا گیا تھا۔ اس لیے ان کے سیاسی لائحہ عمل میں ایک تبدیلی پیدا ہوئی اور انھوں نے انقلابی سیاسی ذہن رکھنے والے برادران وطن کو اپنی سیاسی تحریک میں شامل کرنا اور استقلال وطن کی کوششوں میں ان کے ساتھ تعاون کرنا ضروری سمجھا۔ حضرت شیخ الہند کا راست اور بعض دیگر ذریعوں سے ایسی غیر مسلم انقلابی شخصیتوں سے تعلق تھا اور اسی سلسلے میں کانگریس کی تحریک کو حضرت شیخ الہند کے اتباع کا تعاون حاصل تھا۔

بہ ایں فکر ولائحہ عمل جب وہ تمام غیر مسلموں سے تحریک آزادی میں اشتراک و تعاون کو ایک ملکی اور قومی سیاسی ضرورت سمجھتے تھے تو کسی 'قادیانی' کے دست تعاون کو یوں کیوں جھٹک دیا جاتا؟ دوسرے لفظوں میں وہ سیاست میں غیر فرقہ وارانہ نقطہ نظر رکھتے تھے اور ہندوؤں، سکھوں کا تعاون حاصل کرتے تھے تو قادیانیوں کے تعاون سے کیوں انکار کردیتے؟ لیکن یہ جس حد تک بھی تھا صرف سیاسی اشتراک تھا۔ مذہبی اور دینی عقائد میں حضرت مولانا سندھی کی کوئی تائید وحمایت قادیانیوں کو حاصل نہ تھی اور نہ حضرت مولانا پر ان کے کسی فکر اور عقیدے کے بطل وفساد کا کوئی اثر تھا۔

(۷) بعض بزرگ اقبال شیدائی کے عقیدے کے بارے شک میں مبتلا ہیں۔ ہمارے خیال میں اس شک کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ جس نے کسی غیر اسلامی عقیدے کا اعلان واظہار نہ کیا ہو، جو مسلمانوں میں زندہ رہا اور مرا ہو، عقیدہ توحید و رسالت پر جس کا خاتمہ ہوا ہو، جس کا پورا خاندان مسلمان ہو، ہمارے بزرگوں سے جس کی عقیدت کے رشتے استوار ہوں۔ محض اس وجہ سے کہ کسی بدمذہب سے اس کا کوئی تعلق رہا تھا یا عمل میں اس سے کوئی کوتاہی ہوئی تھی اسے مذہب حقہ کے دائرے سے نکال نہ دینا چاہیے۔ وہ کوئی عالم دین یا مذہبی شخصیت نہیں تھے کہ ان کی ہر بات اور ہر عمل فتویٰ کی زبان میں ہو اور فقہ کے اصول پر پورا

اترے۔

(۸) ہمیں امید ہے کہ آج اگر حضرت مولانا سندھی زندہ ہوتے تو اس مسئلے میں ان کا وہی مسلک ہوتا جو دیوبندی مکتبہ فکر کے دوسرے اکابر کا ہے۔

اگر پروفیسر محمد اسلم نے ان کے عقیدہ و مذہب کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی تو صرف اس وجہ سے کہ فی الواقعہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ نہ اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ قادیانی مذہب کے بارے میں دل میں کوئی نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ محمد اسلم صاحب

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے داماد ہیں ہمارے بزرگوں سے مضبوط رشتہ عقیدت استوار ہے اور نہایت راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ وہ اسلامی اور مسلمانان ہندپاکستان کی تاریخ کے استاد اور نامور محقق ہیں۔ وہ اپنے علم و فن کے حدود کا ہمیشہ لحاظ رکھتے ہیں۔ عقائد ان کے درس و تحقیق کے دایرے میں نہیں آتے۔ اگر انھوں نے مکاتیب کے تعارف میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے عقائد کے بارے میں کوئی بحث ضروری نہیں سمجھی تو اس کی وجہ یہ بھی ہے۔

اس سلسلے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا بیان قول فیصل ہے۔ انھیں مکاتیب کے حوالے سے مولانا فرماتے ہیں:

"آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مولانا سندھی نے بعض خطوط میں حکیم نورالدین اور مولوی محمد علی لاہوری کی تعریف کی اور ان سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے اس سے فاضل مرتب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "موصوف (مولانا) اپنے دل میں قادیانیوں اور خصوصاً لاہوری احمدیوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے" ہمارے نزدیک اس عبارت میں "نرم گوشہ" کالفظ اشتباہ انگیز ہے' اگر مراد یہ ہے کہ مولانا حکیم نورالدین اور مولوی محمد علی کی لیاقت و قابلیت کے معترف تھے' جیساکہ خطوط سے ظاہر ہوتا ہے اور اس لیے ان دونوں سے ملاقاتیں رکھتے تھے تو اس میں کونسی بات اسلامی تعلیم کے خلاف اور قابل اعتراض ہے' اور اگر مراد یہ ہے کہ مولانا قادیانیت کے معاملہ میں جمہور امت کی طرح متعصب اور متشدد نہیں تھے تو یہ بالکل غلط ہے اور مولانا پر سخت اتہام ہے' چنانچہ پیراگراف کی آخری سطر میں لائق مرتب نے ایک حوالہ سے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ شروع شروع میں قادیانیت کے بانی

اوراس کے بعض اہم اساطین کے علمی اور مذہبی کارناموں سے بعض اکابر علماء تک دھوکا کھا گئے تھے۔ چنانچہ مولانا حکیم سید عبدالحی نے نزہتہ الخواطر میں مرزا غلام احمد کی بڑی تعریف کی ہے، جس کی تلافی مرحوم کے صاحبزادہ سید ابوالحسن علی ندوی کو کرنی پڑی۔ یہ دھوکا مصر کے علماء کو بھی ہوا، چنانچہ شیخ ابوزہرہ نے اپنی کتاب "المذاهب الاسلامیه" میں قادیانی فرقہ کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے اور خدا مغفرت کرے مولانا عبدالماجد دریابادی کی! وہ تو اس دھوکے کا شکار آخر آخر تک رہے"

پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مرتبہ خطوط کی تاریخی ترتیب درست نہ تھی۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری نے تاریخ وار مرتب کردیا گیا ہے اور بعض حواشی پر بھی نظر ڈالی ہے

ابوالفیضان

مقدمہ:

مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے ایک بھرپور علمی و عملی زندگی گزاری تھی۔ ملک و بیرون ملک کے سیکڑوں اصحاب علم و عمل سے ان کے تعلقات تھے۔ ناممکن ہے کہ ان سے مراسلت کا تعلق نہ رہا ہو' اقبال شیدائی کے نام مولانا کے جو خطوط شائع ہوئے ہیں' ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف جواب دینے پر اکتفا کرتے تھے' بلکہ خط لکھنے میں پہل بھی کرتے تھے اس بنا پر توقع تھی کہ ان کے ہزاروں خطوط ہوں گے۔ لیکن اب تک ان کے جو خطوط سامنے آئے ہیں' ان کی تعداد انگلیوں پر گن لی جاسکتی ہے۔

کسی ایک شخص کے نام ان کے خطوط کی سب سے بڑی تعداد چھتیس ہے۔ مولانا کے یہ خوش نصیب مکتوب الیہ اقبال شیدائی ہیں۔ ان کے بعد مولانا مسعود عالم ندوی کے نام چھ خط ہیں اور مولانا محمد صدیق دلی اللّٰہی بہاول پوری کے نام دو خط ہیں۔ دیگر تمام حضرات کے نام ایک ایک خط یادگار ہے۔

اب تک مولانا سندھی کے صرف تریسٹھ خطوط تک رسائی ہوئی ہے۔ ان میں سے بھی مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک خط مولانا سندھی کی طرف سے ان کے سیکریٹری بشیر احمد کے قلم سے ہے۔ مولانا عزیز اللہ و حبیب اللہ کے نام مولانا کا خط مولانا کے الفاظ میں سندھی زبان میں ہے اور اس پر مولانا نے دستخط فرمائے ہیں اور ٹیلی گرام مولانا کی جانب سے ہے۔ یہ دونوں تحریریں سندھی اور انگریزی سے ترجمہ ہیں۔

ان کے علاوہ چار تحریریں از قسم دستاویزات ہیں جنہیں خطوط کے اس مجموعے میں شامل کیا گیا ہے۔

۱۔ اعلان یا اپیل بنام اہل ہند

۲۔ حضرت شیخ الہند کے نام خط کے ساتھ جنود ربانیہ کا منصوبہ اور

۳۔ جنود ربانیہ کے منصب داروں کی فہرست۔

جس تحریر کو میں نے حضرت کے نام خط سے تعبیر کیا ہے، وہ دراصل کابل میں ہندوستان کی پروویژنل گورنمنٹ کے قیام کی تفصیلات اور اس میں شرکت کے مصالح کے تذکرے میں ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت بھی خط سے زیادہ ایک تاریخی دستاویز کی ہے۔

اس لیے بھی کہ یہ تحریر القاب و آداب کے رسمی الفاظ سے عاری ہے۔

۴۔ مولانا احمد علی لاہوری کی سند تکمیل و فراغت علوم واجازہ درس و تدریس

مجھے یقین ہے کہ ان تحریروں کا اس مجموعہ خطوط میں شامل کیا جانا نامناسب خیال نہ کیا جائے گا۔

ان کے ساتھ تین دینی مدارس کے معائنہ جات، دو آٹوگرافس اور ایک ماہنامہ کے لیے اپیل ہے۔ یہ تحریریں بھی اس مجموعے میں شامل کرلی گئی ہیں کہ انھیں محفوظ کرنے کا صحیح مقام یہ مجموعہ خطوط ہی تھا۔

اقبال شیدائی کے نام مولانا کے خطوط چوں کہ سب سے زیادہ تھے، انھیں پروفیسر محمد اسلم نے مرتب کیا تھا، ان پر حواشی لکھے تھے اور مقدمہ بھی لکھا تھا اس لیے انھیں جوں کا توں مجموعے کا حصہ دوم بنادیا ہے۔

اقسام تحریر:

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے نام سے جو تحریریں اب تک شائع ہوئی ہیں، وہ کئی قسم کی ہیں اور درجہ استناد میں سب برابر نہیں۔ اس فرق پر نظر رہنی چاہیے۔

۱۔ کچھ تحریریں ایسی ہیں جو لوگوں نے مولانا کے درس یا مجلس کی باتیں سن کر لکھ لیں۔ یہ مولانا کی نظر سے گزریں، نہ انھوں نے ان کی صحت کی تصدیق کی۔ ایسی تحریروں کی ذمہ داری صرف اصحاب تحریر و املا ہی پر عائد ہوتی ہے۔ مولانا ان کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔

۲۔ بعض تحریریں ایسی ہیں جو مولانا نے اپنے کسی رفیق و شاگرد کو املا کرائیں، لکھنے والے نے لفظ بہ لفظ لکھیں اور مولانا کی زندگی میں وہ شائع ہوئی۔ ایسی تمام تحریروں کے مطالب کے مولانا ذمہ دار ہیں۔

۳۔ کچھ ایسی تحریریں ہیں جو مولانا نے اپنے قلم سے لکھی ہیں۔ ان کی زبان اسلوب اور مطالب سب مولانا کے ہیں۔ ان تحریروں کا درجہ استناد سب سے بلند ہے۔ مولانا مرحوم

کے خطوط کا شمار اسی قسم کی تحریروں میں ہوتا ہے۔

خطوط کی اہمیت:

مولانا عبید اللہ سندھی کے خطوط میں ادبی مسائل بالکل نہیں' مذہبی اور دینی مسائل بھی کم ہی زیر بحث آتے ہیں۔ اگر ہیں تو محض اشارات۔ کسی مسئلے پر انھوں نے مفصل بحث نہیں کی۔

☆ البتہ ان کے سیاسی ذوق اور حقیقت پسندانہ نقطہ نظر کے آئینہ دار ہیں۔

☆ مولانا کے سیاسی مکتبہ فکر کے تعین میں ان سے بڑی مدد ملتی ہیں۔ ان کا سیاسی فکر کیا تھا' سیاست میں کیا اصول ان کے پیش نظر تھے' وہ کس طرح سوچتے تھے اور کس طرح کوئی نتیجہ اخذ کرتے تھے' اس بارے میں یہ خطوط کوئی رائے قائم کرنے میں بہت مددگار ہیں۔

☆ ان خطوط سے ان کی کابل' ماسکو ترکی اور حجاز میں مصروفیات ومشاغل پر روشنی پڑتی ہے۔

☆ ان خط میں مولانا کے سوانح حیات کے بارے میں نہایت مستند اور قیمتی معلومات ہیں۔

☆ ان خطوط کے اہمیت یہ بھی ہے کہ ان سے بعض حضرات کی پھیلائی ہوئی اس بات کی قطعاً" نفی ہو جاتی ہے کہ مولانا مرحوم قیام ماسکو کے زمانے میں اور اپنے بعض ساتھیوں کے زیر اثر کمیونزم سے متاثر ہو گئے تھے۔ ان خطوط کے مطالعے سے 'اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو کمیونزم کے مطالعے کا جس حد تک موقع ملا تھا۔ اس کے بعد انھیں اسلام اور امام ولی اللہ دہلوی کے فلاسفی پر اور پختہ یقین ہو گیا تھا۔ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کمیونزم کے بعض نقائص اور کمزور پہلو ان کے علم میں تھے اور ان کے بودے پن کو انھوں نے اس فلسفہ (کمیونزم) کے بعض اساتذہ اور روس کے انقلابیوں پر ثابت کر دیا تھا اور انھوں نے اعتراف کیا تھا کہ اگر وہ انقلاب کو کامیاب نہ کر چکے ہوتے تو شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی اور اقتصادی فلسفے کو مولانا سندھی کی تشریح وتعبیر کے مطابق اختیار کر لیتے۔

☆ ان خطوط سے بعض مشاہیر وقت کے بعض خاص مشاغل اور ان کی سیرتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً" خواجہ کمال الدین کا انگریزوں کے لیے کام کرنا اور مولوی محمد علی لاہوری کا اس سے واقف ہونے کے باوجود ان کی پردہ دری کرنا۔ عبد الرحمان صدیقی کی نہایت غیر ذمہ داری بلکہ کچھ اس سے بڑھ کر۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو قادیان کی طرف سے دعوت اسلام اور مولانا آزاد کا اس پر دلچسپ تبصرہ۔ خیری برادران کے بارے میں بعض اشارات۔ اہل حدیث اور

حنفی اور پھر حنفیوں میں دیوبندی و بریلوی اور فرنگی محل کے علماء کے بارے میں مولانا سندھی کا تجزیہ 'بعض نوجوان رفقا کے بارے میں معلومات' جو ثابت قدم نہ رہ سکے اور حالات کی سنگینی کے ہاتھوں ان کی فکر و سیرت میں شکست و ریخت کے عمل کا انتہا تک پہنچنا۔ مولانا سندھی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ ہمارے ہندوستانی عزیزوں کی ایک بڑی جماعت حکومت ہند نے مقرر کردہ فرائض ادا کرتی رہی۔ خطوط میں ان کی ایک دوسرے کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔

☆ سیاسی افکار مسائل اور تحریک آزادی کے سلسلے میں بہت مفید باتیں خصوصاً" مولانا کے مہابھارت سوراجی پروگرام کے بارے میں بعض وضاحتیں بہت اہم ہیں۔

☆ علامہ اقبال اور ان کے پیام مشرق کے بارے میں مولانا کی رائے۔ ہندوستان کے سیاسی مسئلے اور ہندو مسلم تصفیے کے سلسلے میں ہندوستان اور پنجاب کی تقسیم کے بارے میں اولین تجاویز وغیرہ پر ان خطوط سے بہت مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

☆ مولانا سندھی مرحوم کے یہ خطوط نہایت فکر انگیز 'معلومات افزا اور بصیرتوں اور عبرتوں کا مرقع ہیں' اور ان کے زریں اقوال 'آراء اور تجربات و مشاہدات کے تذکرے سے بھرے ہوئے ہیں۔

☆ اگرچہ یہ خطوط تعداد میں زیادہ نہیں 'لیکن تاریخ آزادی کی اہم دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خطوط کے مضامین کی روشنی میں مولانا سندھی کے افکار پر مبنی کئی مضمون لکھ کر موجودہ دور کے حالات و مسائل میں رہنمائی مہیا کی جا سکتی ہے۔

☆ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ آزادی وطن کی جدوجہد میں کیسے مشکل مقامات سے گزرے ہیں 'وہ اپنی لگن کے کیسے پکے تھے کہ انھوں نے کبھی اور کسی حالت میں ملک کی آزادی کے مقصد کو آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

صاحب عزیمت:

ان خطوط کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سندھی نے بڑی کٹھن زندگی گزاری تھی' وہ زندگی کی کئی نشیب و فراز سے گزرے تھے 'انھوں نے زندگی کو نہ صرف قریب سے دیکھا تھا' اسے برتا تھا اور اس کی سختیوں کو جھیلا تھا۔ انھیں زندگی میں بہت تلخ تجربات ہوئے تھے۔

ان کی زندگی میں ایسا وقت بھی آیا کہ انھیں کوئی یار و مددگار نظر نہ آتا تھا اور ایسا بھی ہوا کہ حکومتیں ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے ان کے اشارہ چشم کی منتظر تھیں۔ کبھی ایسا ہوا کہ ان کے پاس ایک وقت کا آذوقہ فراہم کرنے کے لیے پیسہ نہ تھا اور کبھی لاکھوں روپے خرچ کردینے کا انھیں اختیار تھا۔

انھوں نے زندگی میں اپنوں کی بے وفائی کے چرکے بھی کھائے اور اپنے خردوں کے ہتک آمیز رویوں کو بھی برداشت کیا۔ خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خدا نے کس درجے تحمل اور برداشت کی خوبی رکھی تھی۔ وہ واقعی ایک صاحب عزیمت شخص تھے۔

مولانا سندھی بہت فراخ حوصلہ تھے۔ لوگوں کی غلطیاں معاف کردینے والے، ساتھیوں اور پارٹی کے کارکنوں کی ہمت بڑھانے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنے والے، ان کی چھوٹی چھوٹی خوبیوں کی زیادہ تعریف کرنے اور ان کی تالیف قلب کا ہمیشہ خیال رکھنے والے بزرگ تھے۔

یگانہ عصر:

ان خطوط کے مطالعے سے ان کی سیرت کا جو نقشہ ذہن میں ابھرتا ہے' وہ ان یگانہ لوگوں کی سیرت ہے، جس کی خوبیاں ان کے محبوب شاعر خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے ایک غزل میں اس طرح بیان کی ہیں:

سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گزرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
منہ بھلا تکتے ایک اک کا یگانوں کی طرح
اس کھیتی کے پنپنے کی انھیں ہو یا نہ ہو
ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
ان کے غصے میں ہے دل سوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح
کام سے کام اپنے ان کو، گو ہو عالم نکتہ چیں
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح
طعن سن کر احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

وہ جوں جوں آزمایشوں سے گزرے اور تجربات کی تلخیوں کے گھونٹ پیے ان کا جوہر سیرت نکھرتا ہی گیا۔ مولانا سندھی جیسی پختہ فکر و سیرت کی مثالیں ہماری سیاسی تاریخ میں بہت تھوڑی ملیں گی۔

زبان اور طرز تحریر:

مولانا سندھی مرحوم کے تمام دریافت شدہ خطوط اردو میں ہیں۔ اردو مولانا کی مادری زبان تھی، نہ پدری۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اردو کو انھوں نے بہ طور ایک فن کے سیکھ تھا۔ وہ اردو کے ادیب یا انشا پرداز نہیں تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے زبان کو کامل صحت اور قواعد کے مطابق استعمال کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں نہ کوئی لفظ زائد ہے نہ بے موقع و بے معنی۔ وہ ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ وہ الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ یہ خوبیاں ان میں شاید اس وجہ سے پیدا ہوئی تھیں کہ انھوں نے کچھ عرصہ دہلی میں گزارا تھا اور دہلی، رام پور، لکھنؤ وغیرہ کے اساتذہ فن سے تحصیل علمی کی تھی اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔

سنہ ہندی:

مولانا عبید اللہ سندھی ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملوں سے ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم اور نیا دور شروع کرتے ہیں۔ اس کے حملوں کا آغاز ۱۰۰۰ء میں ہوتا ہے۔ مولانا سندھی اسی وقت سے ہندوستان کا نیا کلینڈر شروع کرتے ہیں۔ قوموں کی تربیت اور سیرت کی تشکیل میں اس قسم کے اختیارات کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ مولانا سندھی مرحوم کی اس حقیقت پر نظر تھی۔ مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا دین محمد وفائی کے خطوط میں مولانا نے یہی سنہ اختیار کیا ہے۔ یعنی ۱۰ اکتوبر ۹۴۰ ہندی اور یکم مئی ۹۴۴ ہندی۔

پروفیسر محمد اسلم نے ضرور دیکھا ہوگا اقبال شیدائی کے نام مولانا سندھی نے اگر سب میں نہیں تو بعض خطوط پر ضرور سنہ ہندی درج کیا تھا۔ اسی لیے پروفیسر موصوف کو اب حاشیے میں سنہ ہندی کی وضاحت کرنی پڑی۔

ابو سلمان شاہ جہاں پوری سندھی

حصہ اول

مکاتیب مولانا عبیداللہ سندھی

اس حصے میں مختلف حضرات کے نام مولانا سندھی مرحوم کے ستائیس خطوط اور ریشمی رومال تحریک سے متعلق چند تاریخی دستاویزات شامل ہیں۔

(۱)

مولانا عبدالباری فرنگی محلی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ علی عبادہ الذین الصطفیٰ امابعد!

از عبیداللہ عفاعنہ بگرامی خدمت مخدومی مولانا عبدالباری مدظلہ

بعد از سلام مسنون آں کہ آپ کی جماعت نے تمام مسلمانوں کی طرف سے فرض ادا کیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

امید ہے کہ آپ اپنی دعوات صالحہ میں ہمیں بھی شریک رکھیں گے۔ انی احسبکم فی اللہ والسلام

دارالعلوم دیوبند۔ ۲۰ صفر ۲۹ جنوری ۱

ماخذ: نقوش' لاہور۔ خطوط نمبر

حاشیہ:

(۱) اس خط پر سنہ تحریر نہیں' لیکن ۱۳۳۱ھ میں ۲۰۔ صفر ۲۹۔ جنوری ۱۹۱۳ء کے مطابق تھی۔ اس وقت مکتوب نگار مولانا سندھی دارالعلوم دیوبند میں مقیم تھے (ا۔ س۔ ش)

(۲)

مولانا حبیب الرحمن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم:

دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند کی تحریک کے خلاف ارباب اہتمام نے جو رکاوٹیں پیدا کی تھیں' اس میں حضرت کے خلاف کچھ کہنے یا تحریک کی مخالفت کے بجائے مولانا عبیداللہ سندھی سیکریٹری جمیعۃ الانصار کی ذات گرامی کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ اور اس کے لیے مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو استعمال کیا گیا تھا۔ حضرت کشمیری کو بعد میں احساس ہوگیا تھا کہ انھیں اس معاملے میں محض استعمال کیا گیا ہے۔ انھوں نے مولانا سندھی سے ان کے قیام حجاز کے زمانے میں معذرت کرلی تھی۔ یہ حضرت کی للّٰہیت اور اخلاص کے لیے بہت بڑا ثبوت ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے جب دیکھا کہ حالات ایسے پیدا کر دیے گئے ہیں' جن میں تحریک کو جاری رکھنا مفید نہیں ہو سکتا تو انھوں نے مولانا سندھی سے استعفاء دلوادیا اور ان کے کام کا مرکز دہلی منتقل کردیا اور نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کرادیا' جس کے سرپرستوں میں مسیح الملک حکیم

محمد اجمل خاں اور علی گڑھ کالج کے سیکریڑی نواب وقار الملک برابر کے درجے میں شریک تھے۔

مولانا سندھی مرحوم کے اس استعفاء سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ تقریباً" وسط مئی ۱۹۱۳ء تک دیوبند میں مقیم تھے (ا۔ س۔ ش)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد!

بخدمت شریف مولانا امیر جمیعۃ الانصار دامت برکاتہم۔

بعد سلام مسنون، معروض آں کہ جلسہ انتظامیہ کے تمام ممبر جہاں تک مجھے معلوم ہوا میری نسبت اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ اگر جامعۃ القاسمیہ تک معاملات کا مرافعہ کیا جاوے اور میں اپنی برات ثابت کرلوں، تو بھی اتفاق سے کام چلانا مشکل ہے۔

لہذا جمعیۃ الانصار کی خدمت سے استعفاء پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے جمعیۃ الانصار کے کسی شعبے سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور اپنے معاملات کا ذاتی حیثیت سے ذمہ دار ہوں گا۔

جناب والا جس قدر جلد ممکن ہو منظور فرما کر اعلان کی اجازت مرحمت فرمادیں گے۔ تاکہ مجھے اپنے طور پر کام کرنا آسان ہوسکے۔ والسلام

عبید اللہ عفی عنہ۔ دیوبند

۴ر جمادی الثانیہ (۱۳۳۱ھ) ۱۱ر مئی (۱۹۱۳ء)

حواشی:

(۱) تاریخ کے ساتھ سنہ درج نہیں تھا، لیکن ۱۳۳۱ھ میں ۴ر جملوی الثانیہ ۱۱ر مئی ۱۹۱۳ء کے مطابق تھی

(۲) ۹ر مضان مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء

(۳)

ایڈیٹر الہلال مولانا ابو الکلام آزاد

ازناظم نظارۃ المعارف (دہلی)

میری جمعیۃ الانصار سے علاحدگی اور نظارۃ المعارف کے قائم ہونے پر جس قدر سوالات بعض اراکین جمعیۃ الانصار یا دیگر حضرات کی طرف سے اخبارات میں شائع ہورہے ہیں، ان کے جوابات میری طرف سے صرف اس لیے نہیں دیے گئے کہ میں اس قسم کے مناقشات کا صحیح اور مفید حل یہی تصور کرتا ہوں کہ بذریعہ تحکیم فیصلہ

کرالیا جائے۔

دفتر جمعیۃ الانصار نے جلسہ انتظامیہ کا فیصلہ میرے پاس القاسم کے نمبر صفر سے پہلے نہیں بھیجا۔ القاسم دیکھ کر میں دیوبند گیا اور مولانا حبیب الرحمان صاحب امیر جمعیۃ الانصار کی خدمت میں دارالعلوم کی مجلس اعلیٰ (الجامعۃ القاسمیہ) تک مرافعہ کی درخواست پیش کی۔ اس کا جواب نہ ملنے پر المشیر' مراد آباد میں اس کی نقل شائع کرائی لے اب تک سکوت دیکھ کر فقط ایک درجہ کوشش کا نظر آتا ہے یعنی الجامعۃ القاسمیہ کے معظم اراکین' خصوصاً" مولانا اشرف علی صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ معاملہ پیش کروں۔ اگر خدانخواستہ میرا یہ مرافعہ قابل سماعت نہ سمجھا گیا' تو ممکن ہے کہ واقعات کا ایک حصہ اخبارات میں بھیجوں۔

عبیداللہ

سابق ناظم جمعیۃ الانصار

ماخذ الہلال' کلکتہ' ۱۳۔ ۲۰ مئی ۱۹۱۴ء' ص' ۳۹۵۔ مولانا سندھی کا یہ مراسلہ "کھلی چٹھی کا جواب" کے عنوان سے شائع ہوا تھا

(۴)

شیخ عبدالرحیم سندھی:

۹ رمضان یوم دوشنبہ (۲)

کابل

سلام مسنون!

آپ ضرور یہ امانت مدینہ طیبہ میں حضرت مولانا کی خدمت میں کسی معتمد حاجی کی معرفت پہنچا دیں۔ یہ ایسا کام ہے کہ اس کے لیے مستقل سفر کرنا نقصان نہیں۔ اگر آدمی معتمد ہو تو زبانی یہ بھی کہہ دیں کہ حضرت مولانا یہاں آنے کی بالکل کوشش نہ کریں' اور مولوی اگر اس حج پر نہ آسکے تو خیال فرمالیں کہ اس کا آنا ممکن نہیں۔

آپ اس کے بعد خود میرے پاس آنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ یہاں بہت سے ضروری کام ہیں۔ ضرور آیئے۔

اگر خدانخواستہ آپ کو معتمد حاجی نہ مل سکے اور آپ خود بھی نہ جاسکیں تو مولوی حمد

اللہ ساکن پانی پت سے اس معاملے میں مدد لیں۔ یہ ضروری ہے کہ اس حج کے موقع پر یہ اطلاعات حضرت مولانا کے پاس پہنچ جائیں اور وہاں سے جو اطلاع ملے، وہ براہ راست نہ ہو سکے تو مولوی احمد لاہوری کی معرفت ہمیں ضرور ملنی چاہیے۔

عبید اللہ

(۵)

شیخ الہند مولانا محمود حسن:

شیخ عبد الرحیم مرحوم کے نام خط میں مولانا سندھی نے جس خط کو مولانا محمود حسن کو پہنچانے کی تاکید کی ہے، وہ ہے جس میں کابل میں ہندوستانی مشن کی آمد، اس کے مقصد، ہندوستان کی پروویژنل گورنمنٹ کے قیام اور اس کی طرف سے مختلف ممالک کے لیے سفارتوں کی روانگی کی تفصیلات ہیں اور مولانا سندھی نے پروویژنل گورنمنٹ میں اپنی شرکت کی مصلحت پر روشنی ڈالی ہے۔

اس خط کے ساتھ جنود ربانیہ کا منصوبہ اور منصب داران جنود ربانیہ کی فہرست بھی ہے۔ یہ تینوں چیزیں مولانا سندھی مرحوم کے قلم سے ہیں۔ انھیں تحریروں کی بنیاد پر "ریشمی خطوط سازش کیس" اور مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے نام مولانا محمد میاں کا خط بھی تھا جسے "ریشمی خطوط" میں شامل گیا گیا تھا۔ یہاں صرف مولانا سندھی کے خط اور تحریروں کو مرتب کیا گیا ہے (ا۔ س۔ ش)۔

(ا) مولوی عبید اللہ کا منصوبہ 'جنود ربانیہ':

الجنود الربانیہ یعنی لشکر نجات
مسلم سالویشن یا مکتی فوج

الف: مقصد: اتحاد دول اسلامی

ب: مراکز: ا۔ مرکز اصلی صدر مقام جنرل ---------- مدینہ طیبہ

۲۔ مرکز ثانوی صدر ------ مقام قائم مقام جنرل: ا۔ قسطنطنیہ، تہران، ۳۔ کابل

۳۔ مرکز درجہ سوم صدر ------ مقام لیفٹنٹ جنرل: جو دول اسلامیہ کفر کے زیر اثر ہوں

ج: حلقہ اثر: ا۔ قسطنطنیہ کا یورپ وافریقہ، ۲۔ تہران کا وسط ایشیا، ۳۔ کابل کا ہندوستان

د: مناصب ------ دس قسم کے ہیں:

ا۔ مربی (پیٹرن)، ۲۔ مرد میدان (فیلڈ مارشل)، ۳۔ سالار (جنرل مہتہ) جو نائب

سالار کسی مرکز ثانوی میں ہو، اس کو قائم مقام سالار کہیں گے ----- یہ سرپرستان الجنود ربانیہ ہیں۔ ۴۔ قائم مقام سالار و نائب سالار (لیفٹنٹ جنرل)، (۵) معین سالار (میجر جنرل)، (۶) ضابطہ (کرنل)، (۷) نائب ضابطہ (لیفٹنٹ کرنل)، (۸) در شہر صد باشی (میجر)، (۹) صد باشی (کپتان)، (۱۰) (پنجاہ باشی (لیفٹنٹ)

ہ: تعداد ماتحتان و مشاہرہ (۱): (افسر کل الربانیہ یعنی سالار) ۱۰۰ پونڈ (۱۲ ہزار)، ۵۰ پونڈ یا ۴۰ پونڈ (۳ ہزار)، ۲۰ پونڈ (ایک ہزار)، ۱۰ پونڈ (۵۰۰)، ۵ پونڈ (۲۵۰)، ۴ پونڈ (۱۰۰)، ۳ پونڈ (۵۰)، ۲ پونڈ

و: اختیارات خرچ ماہواری:

ایک ہزار پونڈ، ۵۰۰ پونڈ، ۶۰ پونڈ، ۴۰ پونڈ، ۲۰ پونڈ، ۱۰ پونڈ، ۵ پونڈ، ۲ پونڈ، ۱ پونڈ

حاشیہ:

(۱) یہ مشاہرہ سالار (جنرل) اور اس کے نیچے کے سات منصبوں کے لیے بالترتیب ہے۔ قوسین میں اس منصب کے ماتحت فوجوں کی تعداد کی صراحت ہے اور اس کے آگے تخمینی مشاہرہ ہے. اس کے نیچے دفعہ "و" کے تحت اوپر کی ترتیب کے مطابق سالار اور اس کے نیچے کے سات منصب داروں کے ماہانہ خرچ کے اختیارات کی وضاحت کی گئی ہے. مثلاً: سالار اپنی صواب دید و اختیار سے کسی ضروری مصرف میں ایک ہزار پونڈ تک خرچ کر سکتا ہے (ا۔ س۔ ش)۔

(۲) منصب داران جنود ربانیہ:

الف: مربی، سالار المعظم خلیفۃ المسلمین (ترکی)، ۲۔ سلطان احمد شاہ قاچار (ایران)، ۳۔ امیر حبیب اللہ خاں (کابل)

ب: مروان، ۱۔ انور پاشا، ۲۔ ولی عہد دولت عثمانیہ، وزیر اعظم دولت عثمانیہ ۴۔ عباس حلمی پاشا، ۵۔ شریف مکہ معظمہ، ۶۔ نائب السلطنت کابل سردار نصر اللہ خاں، ۷۔ معین السلطنت کابل سردار عنایت اللہ خاں، ۸۔ نظام حیدر آباد، ۹۔ والی بھوپال، ۱۰۔ نواب رام پور، ۱۱۔ نظام بہاول پور، ۱۲۔ رئیس المجاہدین

ج: جنرل یا سالار، ۱۔ سلطان المعظم حضرت مولانا (محمود حسن) محدث دیوبندی، ۲۔ قائم مقام سالار کابل مولانا عبید اللہ صاحب

د: نائب سالار یا لیفٹنٹ جنرل ۱۔ مولانا محی الدین خاں صاحب، ۲۔ مولانا عبد الرحیم صاحب، ۳۔ مولانا غلام محمد صاحب بہاول پور، ۴۔ مولانا تاج محمود صاحب سندھی، ۵۔ مولوی

حسین احمد صاحب مدنی '۶۔ مولوی حمد اللہ صاحب (عرف) حاجی صاحب ترنگ زئی '۷۔ ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری '۸۔ حکیم عبد الرزاق صاحب '۹۔ ملا صاحب بابڑا '۱۰۔ کوہستانی '۱۱۔ جان صاحب باجوڑ '۱۲۔ مولوی ابراہیم صاحب کالوی '۱۳۔ مولوی محمد میاں '۱۴۔ حاجی سعید احمد انیٹھوی '۱۵۔ شیخ عبد العزیز شادیش '۱۶۔ مولوی عبد الکریم صاحب نائب رئیس المجاہدین '۱۷۔ مولوی عبد العزیز رحیم آبادی '۱۸۔ مولوی عبد الرحیم عظیم آبادی '۱۹۔ مولوی عبد اللہ غازی پوری '۲۰۔ نواب ضمیر الدین احمد '۲۱۔ مولوی عبد الباری صاحب '۲۲۔ ابو الکلام (آزاد) '۲۳ ۔ (مولانا) محمد علی '۲۴۔ (مولانا) شوکت علی '۲۵۔ مولانا ظفر علی '۲۶۔ مولانا حسرت موہانی '۲۷ ۔ مولوی عبد القادر قصوری '۲۸۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی '۲۹۔ پیر اسد اللہ شاہ سندھی

ہ: معین سالار (میجر جنرل) '۱۔ مولوی سیف الرحمان '۲۔ مولوی محمد حسن مراد آبادی '۳۔ مولوی عبد اللہ انصاری '۴۔ میر سراج الدین بہاول پوری '۴۔ باچا ملا عبد الخالق '۵۔ مولوی بشیر رئیس المجاہدین '۶۔ شیخ ابراہیم سندھی '۷۔ مولوی محمد علی قصوری '۸۔ سید سلیمان ندوی '۹۔ (عبد اللہ) عمادی '۱۰۔ غلام حسین آزاد سجانی '۱۱۔ کاظم بے '۱۲۔ خوشی محمد '۱۳۔ مولوی ثناء اللہ (امرتسری) '۱۴۔ مولوی عبد الباری مہاجر وکیل حکومت موقتہ ہند

و: ضابط (کرنل) '۱۔ شیخ عبد القادر مہاجر '۲۔ شجاع اللہ مہاجر نائب وکیل دولت موقتہ ہند '۳۔ مولوی عبد العزیز وکیل وفد حزب اللہ یاغستان '۴۔ مولوی فضل ربی '۵۔ مولوی عبد الحق لاہوری '۶۔ میاں فضل اللہ '۷۔ صدر الدین '۸۔ مولوی عبد اللہ (لغاری) سندھی '۹۔ مولوی ابو محمد احمد لاہوری '۱۰۔ مولوی احمد علی نائب ناظم نظارۃ المعارف (القرآنیہ 'دہلی) '۱۱۔ شیخ عبد الرحیم سندھی '۱۲۔ مولوی محمد صادق سندھی (کراچوی) '۱۳۔ مولوی ولی محمد '۱۴۔ مولوی عزیز گل '۱۵۔ خواجہ عبد الحی (فاروقی) '۱۶۔ قاضی ضیاء الدین ایم اے '۱۷۔ مولوی ابراہیم سیال کوٹی '۱۸۔ عبد الرشید بی اے '۱۹۔ مولوی ظہور محمد '۲۰۔ مولوی محمد مبین '۲۱۔ مولوی محمد یوسف گنگوہی '۲۲۔ مولوی رشید احمد انصاری '۲۳۔ مولوی عبد السلام فاروقی '۲۴۔ حاجی احمد جان سہارن پوری۔

ز: نائب ضابطہ (لیفٹنٹ کرنل) '۱۔ ظفر حسن بی اے مہاجر '۲۔ اللہ نواز خاں بی اے مہاجر '۳۔ رحمت علی بی اے مہاجر '۴۔ عبد المجید بی اے مہاجر '۵۔ حاجی شاہ بخش سندھی '۶ ۔ مولوی عبد القادر دین پوری '۷۔ مولوی غلام نبی '۸۔ محمد علی سندھی '۹۔ حبیب اللہ۔

ح: میجر ۱۔ شاہ نواز '۲۔ عبدالرحمن '۳۔ عبدالحق

ط: کپتان '۱۔ محمد سلیم '۲۔ کریم بخش

ی: لیفٹنٹ '۱۔ قادر شاہ

نوٹ:۔ ایک اور فہرست میں محمد علی سندھی اور حبیب اللہ کا نام میجر کی فہرست میں درج ہے

(۳) احوال انجمن دیگر بنام حکومت موقتہ ہند

ایک ہندوستانی رئیس مہندر پرتاب ساکن بندرابن جسے آریاؤں کی جماعت سے خاص تعلق ہے اور ہندوستانی راجگان سے واسطہ در واسطہ ملتا ہے' گزشتہ سال جرمنی پہنچا۔ قیصر سے ہندوستان کے مسئلے میں ایک تصفیہ کر کے اس کا ایک خط بنام روساءہندو امیر کابل لایا ۔

حضرت خلیفۃ المسلمین نے بھی قیصر کی طرح اسے اپنا وکیل ہند بنایا۔ اس کے ساتھ مولوی برکت اللہ بھوپالی جو جاپان و امریکہ میں رہ چکے ہیں' برلن سے ہمراہ ہوئے۔

قیصر کے ایک قائم مقام اور سلطان المعظم کے ایک افسر اس کے ساتھ کابل آئے۔ یہ لوگ میرے کابل پہنچنے سے دس روز قبل پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ہندوستانیوں کے فوائد کی تائید میں ہندوستانی مسئلہ امیر صاحب کے سامنے پیش کیا اور کابل میں دونوں نے ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملات مستقبل میں دول عظمیٰ سے معاہدات کرے۔

ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ انھوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست۔ کی میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کرلیا۔

(۱) چند روز کے مباحثات کے بعد اس انجمن نے قبول کرلیا کہ افغانستان اگر جنگ میں شرکت کرتا ہے تو ہم اس کے شہزادے کو ہندوستان کا مستقل بادشاہ ماننے کو تیار ہیں۔ اور اس قسم کی درخواست امیر صاحب کے یہاں پیش کردی۔ لیکن چوں کہ امیر صاحب ابھی شرکت جنگ کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے معاملہ ملتوی کر رکھا ہے۔

(۲) اس حکومت کی طرف سے روس میں سفارت گئی' جس میں ایک ہندو اور ایک مہاجر طالب علم تھا جو افغانستان کے لیے مفید اثرات لے کر واپس آئے۔ اب روس کا سفیر کابل آنے والا ہے۔ روس سے انگریزوں کی برہمی میں جس کے فیصلے کے لیے کچھ جاتا ہوا غرقاب

ہوا، ممکن ہے سفارت مذکورہ کا اثر بھی شامل ہوا۔

(۳) ایک سفارت براہ ایران قسطنطنیہ اور برلن گئی ہے۔ اس میں دونوں ہمارے مہاجر طالب علم ہیں۔ امید ہے کہ حضور میں حاضر ہو کر مورد عنایت ہوں گے۔

(۴) اب ایک سفارت جاپان اور چین کو جانے والی ہے۔

(۵) ہندوستان میں جو پہلی سفارت بھیجی گئی تھی، وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئی۔

(۶) اب دوسری سفارت جارہی ہے۔

(۷) تھوڑے دنوں میں ایک دوسری سفارت برلن جانے والی ہے۔

جرمنی سفارت سے میرے تعلقات بہت اعلیٰ درجے پر ہیں، جس سے اسلامی فوائد میں پوری مدد ملے گی۔

اس حکومت موقتہ میں راجہ مہندر پرتاب صدر ہیں، مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور احقر وزیر ہند ہے۔ فقط والسلام (عبید اللہ)

(۶)

اہل ہند کے نام:

یہ اعلان مولانا سندھی مرحوم نے حکومت موقتہ ہند (کابل) کی جانب سے ۱۹۱۸ء میں جاری کیا تھا۔ جب کہ امان اللہ کی حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ جس کا اس اعلان میں ذکر ہے امان اللہ خاں کی حکومت اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیر داخلہ حکومت موقتہ ہند (کابل) کے مابین طے پایا تھا۔

حکومت موقتہ ہند۔ نظارت داخلہ

عارضی حکومت ہند کی خبر رولٹ سڈیشن کمیٹی کی رپوٹ میں پڑھ چکے ہو۔ یہ حکومت اس لیے بنائی گئی ہے کہ ہند میں موجودہ غاصب غدار ظالم حکومت کے عوض بہترین حکومت قائم ہو۔ تمھاری عارضی حکومت چار سال سے مسلسل جدوجہد کر رہی ہے۔ اس وقت جب تم نے ظالمانہ قانون کو نہ ماننے کا پکا ارادہ کر لیا۔ عین اسی زمانے میں حکومت موقتہ بھی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

حملہ آور فوج سے حکومت موقتہ ہند نے معاہدہ کر لیا ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کر کے اپنے حقیقی فوائد ضائع نہ کریں بلکہ انگریزوں کو ہر ممکن طریقے سے قتل کریں۔ انھیں آدمی اور روپے کی مدد نہ دیں۔ ریل تار خراب کرتے رہیں۔

حملہ آور فوج سے امن حاصل کرلیں۔ ان کو رسد اور سامان سے مدد دے کر اعزازی سندیں حاصل کریں۔

حملہ آور فوج ہر ہندوستانی کو بلا تفریق نسل و مذہب امن دیتی ہے۔ ہر ایک ہندوستانی کی جان' مال' عزت محفوظ ہے۔ فقط وہی مارا جائے گا یا بے عزت ہوگا جو مقابلے میں کھڑا ہوگا۔

خدا ہمارے بھائیوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

عبیداللہ

وزیر حکومت موقتہ ہند

(۷)

بخدمت شریف جناب چوتھ رام صاحب'

پریزیڈنٹ کانگریس کمیٹی سندھ

ڈاکٹر اشرف کا بیان اخبارات میں دیکھا کہ محترم المقام جناب پنڈت جی پریزیڈنٹ انڈین نیشنل کانگریس نے انھیں میری واپسی کے لیے کوشش کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی دعوت پر علماء دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء نے میری واپسی کی تجاویز منظور کیں۔ پھر میرے محبوب ملک سندھ کی (کانگریس) کمیٹی نے آپ کی ہدایت پر کام کیا' پھر آپ نے مجھے کونسل کے مباحثے کی اطلاع دہی سے یاد فرمایا ہے۔ ان سب کوششوں کا میری دل پر خاص اثر ہے۔ میرے طرف سے سب بزرگ اردوست اور بھائی بہت بہت شکریہ قبول فرمائیں۔

(الف) آپ کا ارشاد تھا کہ تار میں جلدی مختصر خبر بھیج دوں۔ اس کی تعمیل نہ کرسکا۔ معافی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کے مختصر بیان میری طرف سے گورنمنٹ کو مطمئن نہیں کرسکتے۔ میرا دعوی ہے کہ کمیونسٹ ریولیوشن کو میں نے کبھی اپنا سیاسی عقیدہ (کریڈ) نہیں بنایا اور نہ آیندہ میرے جیسے لوگوں سے یہ ممکن ہے۔ گورنمنٹ اپنی معلومات پر احتیاط سے نظرثانی کرے گی تو وہ خود اس کی شہادت دے گی۔

حاشیہ:

(ا) پنڈت جواہرلال نہو جو اس زمانے میں (۳۸-۱۹۳۶ء) کانگریس کے صدر تھے۔

(ب) میں نے کیمونسٹ تھرڈ انٹرنیشنل کی تھیوری اور پروگرام اور آرگینائزیشن کلماسکو میں سات مہینے سرکاری مہمان رہ کر مطالعہ کیا ہے۔ باجود ے کہ میں کوئی یورپین زبان نہیں

جانتا' اپنے رفیقوں کی مدد سے' جن میں نیشنلسٹ اور کمیونسٹ دونوں رفیق تھے' ہزار ہا صفحے کا زبانی ترجمہ سنا۔ سیکڑوں مضمونوں کا انھوں نے اردو میں ترجمہ لکھ دیا' تاکہ میں بار بار مطالعہ کرسکوں۔ میں نے پروفیسروں کے لیکچر انھی رفیقوں کی ترجمانی سے باقاعدہ سنے' میں نے اعلیٰ ذمے داری کے افسروں سے مباحثے کیے' مگر میں نے کمیونسٹ نظریہ اپنی کریڈ نہیں بنایا۔ چوں کہ ایک نادر موقع میسر آیا تھا' میں نے اس سے علمی فائدہ حال کرنے میں قصور نہیں کیا۔ چنان چہ ہماری مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے رجسٹرار مجھے یورپ میں ملے تو چند سوالات کے بعد ان کی یہ رائے تھی کہ میں اس نظریے کو ان کے پروفیسروں سے زیادہ جانتا ہوں۔

(ج) جو لوگ میری عملی سائیکالوجی سے واقف ہیں' وہ کبھی مان نہیں سکتے کہ میں کمیونسٹ کریڈ قبول کرسکتا ہوں۔

میں سولہ سال کی عمر میں اسکول سے فارغ ہو کر مسلمان ہوا۔ چار سال محنت کر کے دار العلوم (دیوبند) سے سند فضیلت حاصل کی۔ سب کچھ پڑھنے کے بعد میرا اطمینان نہیں ہوا ۔ میرے استاد مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند نے مجھے شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کی طرف توجہ دلائی اور سات سال کی مسلسل محنت کے بعد مجھے شاہ ولی اللہ کی اسلامی تشریح پر اطمینان ہوا۔ اس کے بعد میں ہر ایک مسلمان عالم کی ہر ایک بات ماننے کا قائل نہیں رہا۔

سندھ میں ایک مدرسہ بنا کر سات سال تک اپنی تحقیقات پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد میں نے ساری توجہ قرآن کریم شاہ ولی اللہ کی فلاسفی سے حل کرنے میں صرف کردی۔ آخر میں شیخ الہند سے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی سب سے اعلیٰ کتاب کا درس لیا۔

(د) میری ننھیال کے پنجاب کے سکھ حکمرانوں کے دور کے تعلقات تھے۔ اس لیے پنجاب کی آزادی کے خواب میرے بچپن کے کھیل ہیں۔ اسلامی تعلیم جب مکمل کرچکا تو ان خیالات پر نظر ثانی کرنے سے وہی جذبہ دہلی کی آزادی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ شاہ ولی اللہ کی فلاسفی ایک خاص سیاسی اسکول آف تھاٹ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ان کے سیاسی اسکول کے متبعین کی تاریخ سامنے رکھ کر میں نے اپنے لیے ایک پروگرام بھی بنالیا۔ وہ اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی۔ مگر ہند سے باہر کے مسلمانوں سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔

کچھ عرصے بعد میں نے شیخ الہند سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے اس میں اصلاح کا مشورہ دے کر اسے اتحاد اسلام کی ایک کڑی بنادیا۔ اس کے بعد جس طرح علمی تحقیقات میں شیخ الہند

سے خاص تعلق رکھتا تھا' سیاسیات میں بھی ان کے اتباع میں داخل ہو گیا۔ انھوں نے مجھ پر اعتماد کر کے اپنی خاص جماعت میں شامل کر لیا۔

(ہ) بارہ سال میں شیخ الہند کے حکم سے سندھ میں کام کرتا رہا ہوں۔ میرا درجہ بڑھا کر چار سال انھوں نے مجھے دیوبند میں اپنے پاس رکھا کر اور اپنے لوگوں سے متعارف کرادیا۔ دو سال دہلی میں علی گڑھ پارٹی سے ملنے کے لیے چھوڑا۔ میرے استاد نے میرا تعارف ڈاکٹر انصاری سے کرایا اور ڈاکٹر (انصاری) نے مجھے مولانا محمد علی سے ملایا اور مولانا ابوالکلام (آزاد) سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد مجھے کابل بھیج دیا۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شیخ الہند نے ایک عرصے سے مجھے اس کام کے لیے معین کر لیا تھا۔ جس قدر ضرورتیں مجھے کابل میں نظر آئیں' ان امور کو وہ پہلے سے تیار کرتے رہے۔ فقط ایک خانہ میرے لیے خالی چھوڑ رکھا تھا' جسے پر کرنے کے لیے مجھے حکم دیا۔ میں نے یہ کام نہایت تنگ دلی سے قبول کیا۔ میرے لیے اپنی طبیعت کے موافق ہندوستان میں کام کا بڑا امیدان تھا اور میں اپنے آپ کو کابل سے بالکل غیر مناسب پاتا تھا۔ مگر اب شکر کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے بزرگ کا حکم ماننے کی توفیق دی۔

(و) میں کابل میں حکومت افغانیہ کے ساتھ کام کرتا رہا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے مجھے حکم دیا کہ میں ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کروں۔ اب تک میں ایسے کام کی خود جرات نہیں کر سکتا تھا' مگر اس حکم نے مشکل حل کر دی۔ ایسے معاملات میں امیر المسلمین کا حکم ماننا اس کام کو اسلامی غرض بنا دیتا ہے۔ اس وقت سے میں نے کانگریس کی تائید شروع کی' بیرونی لوگوں سے اس کا تعارف کراتا رہا کہ ہندوستانی لوگوں کے لیے وہ پارلیمنٹ کا درجہ رکھتی ہے۔

میں ۱۹۰۱ء سے مسلسل اخبار پڑھنے والا ہوں۔ کانگریس کو اور تقسیم بنگال میں اس کی کامیابی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میرے دوست پروفیسر جیوت رام کرپلانی اچھی گواہی دے سکتے ہیں۔ میں اس راستے پر تیزی سے بڑھتا گیا۔ آخر امیر امان اللہ خاں کے زمانے میں میں نے کابل میں کانگریس کمیٹی بنائی جس کا ڈاکٹر انصاری نے گیا سیشن میں کانگریس سے الحاق منظور کرادیا۔ جہاں تک میرا علم ہے' ایمپائر سے باہر یہ کانگریس کی پہلی کمیٹی ہے۔

اس سال (۱۹۲۲ء) ہم روس پہنچے۔ وہاں میرا تعارف کانگریس کمیٹی کابل کے

پریزیڈنٹ کے نام سے ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر نور محمد حیدر آبادی سندھی میرے سیکریٹری تھے ۔ کیا کوئی عقل مند تجویز کر سکتا ہے کہ میں اپنی نیشنل تحریک سے غداری کر کے اس انٹر نیشنل جماعت سے عزت کی امید کروں گا۔ جہاں نیشنلسٹ ہندوستانیوں کی کافی تعداد موجود ہے۔ اس لیے بھی میرے لیے ناممکن تھا کہ کمیونسٹ کریڈ قبول کروں

(ز) کابل تک میں صحیح معنی میں پین اسلامسٹ تھا۔ اسلام کے فائدے کے لیے انڈین نیشنل کانگریس میں داخل ہوا۔ لیکن ترکی کی شکست کے بعد اتحاد اسلام کا کوئی مرکز نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی مستقبل قریب میں کسی آزاد مرکز کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اتحاد اسلام کے عوض روس کا لادینی انٹر نیشنل ازم ہمارے نوجوانوں کے دلوں کو لبھالیتا تھا' اس سے میں سخت حیران ہو گیا۔

(ح) اس کے بعد ہم ٹرکی میں رہے۔ جیسے ٹرکی نے اپنا اسلام اپنی قومیت کا جز بنالیا۔ اس کا میں نے اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ اس طرح میرا یہ فیصلہ بھی قطعی ہو گیا ہے کہ مجھے اسلام کی حفاظت کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کے اسلام کو نیشنل کانگریس کا جز بنا دینا چاہیے۔ میری تحقیق میں ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت خصوصاً" ادنی طبقے کے لوگ میری طرح ہندوؤں کی اولاد ہیں۔ ان کا قدرتی وطن اور ملک ہند کے سوا دوسرا ملک نہیں ہو سکتا۔ اور جو بزرگ باہر سے آئے مگر یہ یہیں کے ہو رہے' وہ بھی ہماری طرح ہند سے باہر اپنا کوئی ہمدرد نہ پائیں گے۔ انھیں بھی اپنی ملکی طاقت کے زور پر اپنا مذہب چلانا چاہیے۔

(ط) اس کے لیے کافی وقت صرف کر کے میں نے شاہ ولی اللہ کے فلسفے کی رہنمائی میں اسلامی تعلیمات پر نظر ثانی شروع کی اور اس کو ایسا کر دیا کہ ہندوستانی قومیت کے ساتھ جمع ہو سکے تاکہ تمام ہندوستانی قوموں سے مسلمانوں کی مذہبی جنگ ختم ہو جائے۔

یہ میں نے اپنی قوم کی سائیکالوجی جانتے ہوئے' اس پر اعتماد کیا ہے کہ جب ہم ہندوؤں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ بھی ہم پر ظلم نہیں کریں گے۔ آج بھی مسلمانوں کے بعض بڑے بڑے آدمی ہندوؤں کے سماجی غلبے سے ڈر رہے ہیں۔ میرا جواب ان کے لیے یہ ہے کہ شاید وہ پہلے ہندوؤں پر زیادتی کر چکے ہیں اور اب بھی اس قسم کے کام مذہب کے نام پر کرنا چاہتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو ضرور ڈرنا چاہیے مگر جو مسلمان اس انقلاب سے پہلے تاریخ کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا۔ اس زمانے کے لوگوں کی ذمہ داری پر مخصوص کر دیتا ہے اور آئندہ ہمارے

پروگرام پر چلتا ہے، اسے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔

(ی) اس قدر اصلاح کے بعد بھی ہندوستانی مسلمان کے لیے ایک زبردست خطرہ نمودار ہوتا ہے۔ ہماری کانگریس آزادی پسند ترقی کن جماعت ہے۔ آج اگر ہم قوم کی پرانی سائیکالوجی پر مطمئن ہیں، جس میں سرمایہ داری بھی ہے، برہمن ازم بھی ہے۔ اس صورت میں چھوٹے چھوٹے جھگڑے تو کافی دیر تک ہوتے رہیں گے۔ مگر کسی بڑے انقلاب کا خوف نہیں، جو اسلام کو ختم کرنا چاہے لیکن جس صورت میں کانگریس ترقی کرتی ہے اور سوشیلسٹ پارٹی بلاخر کمیونسٹ پارٹی پر غلبہ حاصل کرتی ہے تو اس وقت ہمارا اسلامی وجود کانگریس میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔ وہ (پارٹی) مسلمانوں پر خاص ظلم نہ کرے بلکہ ہندو مسلمان سے مساوی برتاؤ کرے اور ممکن ہے کہ ہندو اسے (پارٹی کو) منظور بھی کر لے لیکن میرے جیسے مسلمان کے لیے اسلام کی یہ تخریب کسی طرح خوش آیند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایک مفکر کلیہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس وقت کانگریس کو چھوڑنے سے بہتر ہے کہ ابھی سے اپنا علاحدہ نظام قائم کریں۔

(ک) لیکن دوسرے ملکوں کے انقلاب کا مطالعہ کرنے کے بعد میری یہ رائے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کامل غور و خوض کے بعد شاہ ولی اللہ کی فلسفے کی روشنی میں میں نے ہندوستانی مسلمان کے اقتصادی و سیاسی پروگرام کو اس درجے منظم کر دیا ہے کہ نہ کوئی سوشیلسٹ پارٹی اور نہ کمیونسٹ پارٹی ہماری اسلام کی اس پالیسی سے جنگ کرنا ضروری سمجھے گی۔

اس پر اعتماد اس لیے کیا جا سکتا ہے کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل ہماری اسکیم ماننے والے مسلمان کے ساتھ لڑنا ضروری نہیں جانتا۔ بلکہ بعض پروفیسر تو جلسوں میں کہتے رہے کہ اگر ایسی مذہبی جماعت منظم ہوتی تو ہم اس کو قبول کر لیتے اور کاشت کاروں کی مسئلے کو حل کرنے لیے بے حد مفید ہوتا۔

(ل) محترم پریزیڈنٹ! میں نے آپ کا بہت سا وقت اپنی سرگزشت سنانے میں لے لیا۔ میرا خیال ہے کہ جب تک کوئی مفکر ہمیں خاص طور پر پہنچانے کی کوشش نہ کرے، وہ ہمارے جوابات پر مطمئن نہیں ہوگا۔ آج کل ڈپلومیٹک سیاست میں جھوٹ سچ کا امتیاز نہیں کیا جاتا۔ مگر ہم اپنی مذہبی تعلیمات کے اثر سے ایسے فیصلہ کن مسائل میں جھوٹ بولنا بہت بڑا جرم مانتے ہیں۔ کم از کم اس قدر صداقت کا لحاظ تو ضروری ہے، جس قدر ایک منصف کے

سامنے شہادت دیتے ہوئے تمام انسان سچ بولنا قبول کرتے ہیں۔

(م) اب میں آپ کے سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔

ا۔ میرا سیاسی عقیدہ یا کریڈ اسلام کی اس تفسیر و شرح میں ہے جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے نے پیش کی ہے۔

چوں کہ میں اس سیاسی عقیدے کو انڈین نیشنل کانگریس کی عام پالیسی۔ مثلاً "عدم تشدد وغیرہ' کے اندر کانگریس کی ایک پارٹی بنا کر آخر تک چلا سکتا ہوں' اس لیے دوسرے درجے پر انڈین نیشنل کانگریس کریڈ میری کریڈ بن جاتی ہے۔

میرا یقین ہے کہ جس قدر حملے عام مذہبی تحریکوں پر یا خاص اسلامی تحریک پر اس لیے......(۱)

.........تحریک سے کوئی خطرہ نہیں۔ بعض ہمارے رفیق کابل میں میرے ساتھ کام کر چکے ہیں اور پھر وہ کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے' ان سے شخصی ہمدردی چلی آتی تھی وہ بھی دو چار سال سے ختم ہو گئی۔

اب تو ہم شاہ ولی اللہ کا فلسفہ یا قرآن پڑھانے کے سوا کوئی تعلق نہیں رکھتے مگر دوستوں سے انقطاعی صورت جب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب ہم ہندوستان پہنچ جائیں۔ باہر رہ کر ایسے معاملات میں قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) میں بارہا اپنے دوستوں کے سامنے اقرار کر چکا ہوں کہ اگر اس قدر علم اور تجربہ ہمیں اس حالت میں حاصل ہوتا جب میں ہندوستان میں تھا' تو میں کبھی باہر نکلتا اور نہ کبھی گورنمنٹ کی مخالفت میں حصہ لیتا۔ ہماری قوم دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہے۔ ہم گورنمنٹ کی اجازت بلکہ امداد سے کافی زمانے تک کام کر سکتے ہیں۔ ہمیں جلدی اس کی مخالفت کی ضرورت نہیں ....(۲)

حواشی:

(۱) اس صفحے کے بعد کے صفحے پر سوال نمبر(۱) کا آخری اور سوال کا نمبر(۲) ابتدائی حصہ تھا لیکن ذخیرے (پاکستان نیشنل آرکائیوز' کراچی) میں یہ صفحہ غائب ہے۔ اس لیے مضمون کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس بات کا افسوس ہے۔

اس خط کے گذشتہ مضمون سے اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ یہاں پر مولانا سندھی مرحوم نے وضاحت کی ہوگی کہ جوں جوں ملک میں سرمایہ و جاگیر دارانہ نظام کا خاتمہ ہوگا' ملک میں صنعت و حرفت

کو فروغ ہو گا اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ عمرانیات سے اہل ملک آشنا ہوں گے 'مذہبی تحریکوں کے زور اور مذہب کے نام سے ایک دوسرے پر ظلم و تشدد کا قلع قمع ہو تا جائے گا (ا۔ س۔ ش)

سوال نمبر ۲ کے جواب کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے سوال کمیونسٹوں سے مولانا سندھی مرحوم کے روابط اور تعلقات کے بارے میں ہو گا۔ یہ بات مولانا سندھی پہلے ہی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ وہ ایک مذہبی شخصیت ہیں اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کے مطابق اسلامی تعلیم کو اپنا کریڈ مانتے ہیں۔ کمیونسٹ کریڈ کبھی ان کا نظریہ (کریڈ) نہیں بن سکتا۔

یہاں یہ بات مزید واضح کردی کہ جن حضرات سے زندگی کے کسی دور میں ہم وطنی یا ہم زبانی کی بنیاد پر یا سماجی و معاشرتی دایرے میں تعلقات قائم ہوئے تھے 'وہ ان کا نظریہ بدل جانے سے کیوں منقطع ہو جائیں! خصوصاً" پردیس میں اور غریب الوطنی کی حالت میں کسی ہم وطن کا وجود بڑی تسکین کا موجب ہو تا ہے۔ مولاناؒ نے اس امکان کو رد نہیں کیا کہ وطن پہنچ کر مشاغل کا ہجوم 'کاموں کا انہماک اور ہمدردوں اور غم گساروں کی کثرت انھیں ایک دوسرے سے دور کردے اور باہم ملاقاتوں اور مجلس آرائی کے پردیس جیسے مواقع میسر نہ آئیں (ا۔ س۔ ش)۔

(۲) ذخیرے میں محفوظ خط اس مقام پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد کے صفحات موجود نہیں۔

(۸) محمد صدیق بہاول پوری:

(۱)

علامہ محمد صدیق صاحب نے مولانا کو لکھا تھا کہ وہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ آنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ مکہ مکرمہ کو سیاسی مرکز بنا کے جہاد کے تحریک شروع کی جائے۔ مولانا سے مشورہ طلب کیا تھا کہ اس بارے میں ان رائے کیا ہے؟ حضرت سندھی نے جواب میں یہ فکر انگیز خط تحریر فرمایا۔ القاب سے پہلے ایک سطر میں خط کا عنوان اسی طرح ہے (ا۔ س۔ ش)

اسلامی سیاست 'ہجرت۔ مرکز۔ جہاد۔

عزیزی المکرم محمد صدیق زاد مجدہ!

آپ کا مکتوب پہنچا۔ کوائف سے آگاہی ہوئی بالاجمال جواب لکھتا ہوں۔ عاقلاں را اشارہ کافی است

جواب اجمال برائے ازالہ غلط فہمی

ا۔ خلافت راشدہ کے وقت یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ

منورہ کی سیاسی مرکزیت کو ضعف آگیا تھا۔ جس کا انجبار نہیں ہو سکا۔ بنوامیہ کے ابتدائی دور میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ کو اور بنو عباس کے ابتدائی ایام میں حسنی سادات نے مدینہ منورہ کو مرکز بنانا چاہا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد کے زمانے میں داخلی اغتشاش کے دور میں اسلامی سیاست کی مرکزیت کا کبھی ذکر نہیں آیا۔

۲۔ خاندان امام ولی اللہ دہلوی کی مذہبی سیاسیات کے چرچے میں پھر ہجرت وجہاد کا ذکر آیا مگر اس جماعت نے اپنا سیاسی مرکز افغانی علاقے کو بنایا اور ایک وقت تک جہاد کر کے شہید ہو گئی۔

۳۔ اس لے ہماری رائے میں اگر ہجرت سے مقصد جہاد کی تیاری ہو تو اپنے ملک کے متصل مناسب مقام پر مرکز بنانا چاہیے تاکہ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار (ان لوگوں سے جہاد کرو جو تمھیں کفار میں سے نزدیک پڑتے ہیں) پر عمل ہو سکے۔

البتہ اگر کوئی عالم دین، اپنی علمی یا ارشادی قوت سے دنیا اسلام کو بیدار کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لیے حجاز سے بہتر مرکز کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہر زمانے میں علمائے جدین ہجرت کرکے حجاز میں تبلیغ کرتے رہے۔ ہمارے اکابر ولی اللہی میں سے مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اسی ذیل میں شمار ہوتے ہیں۔

۴۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ دین حجاز کے طرف اس طرح لوٹ آئے گا، جیسے سانپ اپنے بل میں آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علمائے دین ہجرت کر کے دار العلم کو مضبوط بناتے رہیں گے۔ یہ تحریر حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی بعض تصانیف میں مسطور ہے۔

۵۔ غرض جہاد کے لیے ہجرت کی جائے، حجاز اس کے لیے موزوں نہیں، (یہ ہماری رائے ہے)۔ البتہ اگر کوئی خاص عالم دین اشاعت اسلام کے لیے ہجرت کر کے، حکومت وقت سے مصالحت کر کے کرے، عوام کے لیے یہ حکم نہیں ہے، تو یہ فرض کفایہ یا مستحب شمار ہوگا

عبید اللہ

بیت اللہ الحرام۔ ۵ر مئی ۱۹۳۸ ہندی

(۹) (۲)

عزیزی المکرم رفیقی المحرم زاد مجدہ!

آپ کا خط پہنچا۔ میں بیمار ہوں۔ اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے شفادے۔ بحمدہ

تعالیٰ اس حالت میں بھی کام کر رہا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ آپ کے لیے کام میں ترقی کی دعا کرتا ہوں۔ آپ کامیاب رہیں گے۔ بیمار کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے شفایاب کرے گا

جواب جلدی لکھنے کے لیے کاغذ اچھا تلاش نہیں کیا گیا۔

پروفیسر محمد سرور سے آپ کا تعارف اچھا ہو گیا ہے سب احباب کو سلام پہنچے والسلام۔

عبید اللہ

۱۶ اپریل ۹۴۴ ہندی

قاسم العلوم۔ لاہور

میں جلدی دار الرشاد آنا چاہتا ہوں۔ مفصل باتیں زبانی ہوں گی۔

(۱۰)

مولانا غلام رسول مہر (ایڈیٹر انقلاب' لاہور):

(۱)

مکہ مکرمہ

۱۶ر رمضان المبارک (۵۷ ۱۳ھ) (۱)

محترم چودھری غلام رسول مہر صاحب! سلام مسنون

سندھ گورنمنٹ کے ایک سیکریڑی کا خط مجھے یکم نومبر ۱۹۳۸ء کو ملا کہ انڈین گورنمنٹ کو میری واپسی پر کوئی اعتراض نہیں۔ اب مجھے غالباً" شوال کے پہلے ہفتے میں پاسپورٹ مل جائے گا (۲)۔

اگر خدا کو منظور ہوا تو میں بہت جلد دوستوں سے مل کر مسرت حاصل کروں گا۔ سالک صاحب کو میرا سلام قبول ہو۔

آپ کا

عبید اللہ

حواشی:

(۱) ۱۶ر رمضان النبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ۸ر نومبر ۱۹۳۸ء۔

(۲) مولانا سندھی کا یہ خط روزنامہ انقلاب' لاہور کی اشاعت مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا۔

۴ر ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ر ۲۴ر جنوری ۱۹۳۹ء

(۲)

(۱۱)

مکرمی زید مجدہ! سلام مسنون۔

ایک سیال کوٹی نومسلم کی انقلابی زندگی کا سادہ خاکہ پہلے انقلاب میں چھپنا چاہیے۔ اس لیے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ محترم مدیر زمیندار اور احسان جب اس تصحیح کو چھاپ دیں گے تو میری طرف سے میرے شکریے کے مستحق ہوں گے۔

شیخ محمد اقبال کی وفات کا صدمہ میں نے ایسا محسوس کیا تھا، جیسے عزیز ترین رشتہ دار کی موت کا حساس دماغ پر اثر ہوتا ہے۔ تغمد اللّٰہ بغفرانہ و اسکنہ بحبوبتہ جنابہ

مہر صاحب! آپ سے خدا جانے کیوں قلبی محبت اور روحانی انس ہے۔ غالباً" شیخ محمد اقبال کی روح تاثیر آپ میں سب سے زیادہ ہے۔ شوکت علی صاحب میرے محترم و محسن تھے۔ مگران سے لڑنے کا پورا سامان دماغ جمع کرتا رہتا تھا، وہ بھی چل بسے۔ اب کسی سے لڑنے میں مزا نہیں آئے گا۔ عاملہ اللّٰہ یعفوہ واحسانہ

عبید اللہ (۱)

جبال الصولتیہ بلد اللّٰہ الحرام

حاشیہ

(۱) مولانا سندھی مرحوم کا یہ خط ۲۵ر فروری ۱۹۳۹ء کے انقلاب میں شائع ہوا تھا

(۱۲)

مولانا محمد صادق (کھڈہ)، کراچی

(مکہ مکرمہ)

۲ر محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۱۔ فروری ۱۹۳۹ء

بخدمت شریف محترم المقام حضرت مولانا محمد صادق زید مجدہم

سلام مسنون!

آپ کے تمام خط پہنچ گئے اور دارالعلوم (دیوبند) کے بزرگوں کے عنایت نامے بھی مل گئے ہیں۔ اب ۲۱ر فروری کو جاکر کہیں مجھے پاسپورٹ ملا ہے۔ تقریباً" ۲۷۔ فروری کو حج

لائن کا جہاز دستیاب ہو سکے گا۔ اسی سے سفر کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ کو منظور ہوا تو روانگی کے وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب کو بحری تار کر دیا جائے گا جس کا انتظام خود مولانا نے کر دیا ہے۔ اس لیے اب اور کوئی تار نہیں کروں گا۔

شیخ عبدالمجید نے بھی مجھے اپنا مہمان بنانے کی دعوت دی ہے۔ وہ بھی مجھے بہت عزیز ہیں، لیکن آپ میرے استاد بھائی ہیں، اس لیے پہلے میں آپ کے پاس ٹھیروں ا۔ اس کے بعد آں عزیز کے پاس جاؤں گا۔

قاضی حکیم فتح محمد صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب، شیخ عبدالمجید اور دوسرے دوست سلام قبول فرمائیں۔

عبیداللہ

(۱۳)

مولانا احمد علی لاہوری (شیخ التفسیر):

(۱)

عزیزی سلمہ!

آج ہی ایک خط ڈاک میں لکھا۔ حامل رقعہ آپ سے ملنے کے لیے آرہا ہے۔ وہ اپنی تسکین قلب کے لیے آپ سے استفادہ چاہتا ہے۔ اس کے حال پر توجہ کریں۔

تمھاری بیماری عرصہ دراز سے ہے۔ اگر طبیعت صبر کر سکتی ہے تو اسے مکفر سیئات وذریعہ ترقی سمجھیں اور اگر طبیعت عاجز آگئی ہے تو کوئی امر مقرب الی اللہ بہ طور نذر اپنے نفس پر لازم بنالیں، جیسے یعقوب علیہ السلام نے لحم ابل ترک کیا تھا۔ وہ غذا انھیں مرغوب تھی۔ اس کے بعد وہ فقرا کو کھلاتے اور خود نہ کھاتے تھے۔ اسی طرح اپنے مناسب حال کوئی نذر مقرر کرلیں تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ مرض دور ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی کتاب کے پڑھانے پر فہم وسیع عطا فرمائے اور استقامت بخشے۔

واللہ ولی التوفیق۔ والسلام

عبیداللہ

۱۰ر اکتوبر ۹۴۰ہندی۔ دین پور

(۲) **(۱۴)**

مولانا احمد علی لاہوری کی تعلیم و تربیت میں حضرت امام سندھی نے خاص توجہ فرمائی تھی۔ دار الرشاد (پیر جھنڈا)، جمعیت الانصار دیوبند، **نظارۃ المعارف** القرآنیہ، دہلی میں انھیں اپنے ساتھ رکھا، اپنی بیٹی کو ان کے حبالۂ عقد میں دے کر اپنے دل و جان کا حصہ بنالیا، **نظارۃ المعارف**، دہلی میں انھیں مدرس بنایا اور جب حضرت امام سندھی کابل روانہ ہوئے تو انھیں کو **نظارۃ** کا ناظم بنایا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں قرآن حکیم کی انقلابی روح سے آشنا کیا۔ درس و اشاعت کتاب و حکمت کے پروگرام کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اسی ذوق و انہماک کی بدولت تمام دیوبندی مکتبۂ فکر میں انھیں شیخ التفسیر کے معزز لقب سے ملقب کیا گیا۔ لیکن بہ قول حضرت سندھی ان کے بیرون ملک جانے کے بعد وہ رجعت پسندوں میں پھنس کر قرآن حکیم کی انقلابی فکر سے دور ہو گئے۔ مولانا لاہوری کو اپنے استاد و مربی سے شکایت پیدا ہو گئی کہ انھوں نے گویا حضرت شیخ الہندؒ کی اتباع سے روگردانی کی اور بعض مسائل میں اپنی تحقیق کی راہ الگ نکالی۔ یہ مولانا لاہوری کے نزدیک ان کا ناقابل معافی گناہ تھا۔ انھوں نے ایک خط میں حضرت سندھی پر سات اعتراض کیے۔ میرے سامنے مولانا لاہوری کے ترجمہ قرآن پر حضرت سندھی کی ایک شدید تنقید ہے۔ مولانا لاہوری نے حضرت سندھی سے علاحدگی کا اعلان فرمادیا اور حضرت سندھی انھیں نے اپنے ساتھ رشتہ انسلاک سے آزاد کر دیا۔ دار العلوم، دیوبند کے زمانہ قیام میں حضرت سندھی اپنے بعض بزرگوں اور دوستوں کے ستم کا نشانہ بنے تھے اب آخری عمر میں اپنے عزیز و شاگرد کی سادگی کی قتیل ہوئے۔ مولانا لاہوری کا خط محفوظ نہیں، حضرت سندھی کا جواب بہ توسط ثناء اللہ سومرو مولانا عبد المجید امجد سندھی کے شکریے کے ساتھ پیش خدمت ہے (ا۔ س۔ ش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد!

سلام مسنون!

آپ کا رجسٹری شدہ خط ملا کہ آپ کو میرے "مذہبی خیالات" میں تبدیلی کا علم ہو چکا ہے۔ اس لیے آپ مجھ سے وہ تعلق جو پہلے تھا، نہیں رکھ سکتے۔ کیوں کہ "ضروریات دین" کا انکار برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے میں مولانا شیخ الہندؒ کا ایک متبع شاگرد تھا، اب مولانا شیخ الہندؒ کے مسلک کا مخالف ہوں، اس لیے مجھ سے وہ تعلق کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ کاش! یہ امور تم کبھی علاحدگی میں ذکر کر

کے پہلے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ میں نے جس قدر تبدیلی کی ہے، وہ شیخ الہند" کے ساتھ اصولی نہیں۔ شیخ الہند مولانا محمد قاسم و حضرۃ الامام ولی اللہ کے متبع ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی کتابیں سمجھنے پڑھنے کا شوق اتباع شیخ الہند سے مرتفع ہو چکا ہے "کفار قبل از تبلیغ تام اصحاب الاعراف میں شمار ہوتے ہیں" حجۃ اللّٰہ البالغہ میں مذکور تھا۔ میں نے محمد علی شاہ کو بتلایا۔ اس کا مولانا انور شاہ سے بھی ذکر کیا تھا۔ انھوں نے جھٹ منکر ضروریات دین قرار دے کر مجھ پر کفر کا فتویٰ لکھا۔ جسے مولانا شیخ الہند کے زور سے وہ شائع نہیں کر سکے۔ اب "البدور البازغہ" میں وہی مسئلہ نہایت صراحت سے موجود ہے۔

کاش! مجھ سے یہ سمجھنے کی کوشش کی جاتی کہ ان تفردات میں میرا مسند امام ولی اللہ اور ان کے اتباع کی کون سے چیز ہے؟ اور میرا تفرد اپنی ذاتی رائے سے کیا ہے؟ تو مسئلے کی مشکلات حل ہو جاتیں مگر یہاں تو حجۃ اللّٰہ علی العالمین امام ولی اللہ (یہ حضرت شیخ الہند کے الفاظ ہیں) کا الہام امام اور تحقیق کسی شمار میں نہیں۔ میں ان لوگوں سے جو امام ولی اللہ کو امام نہیں مان سکتے افکار و حجج میں توافق ضروری نہیں سمجھتا۔

آپ نے سات مسئلے لکھے ہیں، میں ان کی تشریحات لکھنا نہیں چاہتا۔ کل یہ سات ستر بن جائیں گے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام ولی اللہ قرآن و حدیث و سلف صالحین کے مسلک کی تعیین میں امام ہیں یا نہیں؟ اگر انھیں امام مان لیا جائے تو ان کے کسی مخالف کا قول ماننا ضروری نہیں رہے گا۔ بحث مختصر ہو جائے گی کہ یہ مسائل شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاں کہاں اور کس عبارت میں لکھے گئے ہیں اور میں ان کی تشریح کس حجت سے پیش کرتا ہوں۔

مثلاً "اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری" یہ جمہور کا قول ہے۔ امام ولی اللہ موطا کو بعد کتاب اللہ اور درجے کی کتاب مانتے ہیں۔ اس کے بعد صحیح البخاری میں غلط روایات ملیں تو قابل اعتراض نہیں وہ غلط روایتیں محققین اہل السنۃ کی تصریح سے مانی جائیں گی یہ مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں بجسدہ السموات پر پہنچے۔ اس کی تشریح امام ولی اللہ نے جو حجۃ اللّٰہ میں لکھی اور دوسری کتابوں میں اسے محقق بنایا۔ جمہور اہل علم شاید اسے تسلیم نہیں کریں گے مگر میں اپنا ایمان اس سے مضبوط کرتا ہوں۔

تمھیں شاہ ولی اللہ کے سمجھنے اور ماننے کا یہ درجہ تو نہ ہم نے پڑھایا اور نہ اس کا کوئی موقعہ ہمیں پہلے زمانے میں ملا۔

شاہ ولی اللہ کی کتابیں مکہ معظمہ میں جمع کر کے کس قدر میرا توغل ان کے مطالعے میں رہا ہے "یہ تو غالبا" آپ اور آپ کے ساتھی بھی مانتے ہوں گے۔ اب مجھ سے سمجھے بغیر جو مجھ پر تمھارے دوست فیصلہ بناتے ہیں وہ میرے نزدیک کہاں تک قابل توجہ ہو سکتے ہیں؟

میں ان فیصلوں کا بانی تمھیں نہیں مانتا۔ ممکن تھا کہ تم دو چار مہینے شاہ صاحب کی

کتابوں میں سے منتخب مقامات کا مطالعہ کرتے تو سمجھ جاتے۔ مگر تمھیں اس کا موقعہ نہیں ملا اور مولانا انور شاہ وغیرہ غیر محققین کی صحبت میں اب تم ہمارے بفضلہ تعالیٰ استاد بن گئے ہو۔ تمھیں مبارک ہو!

میں مسلمان ہوں اور شاہ ولی اللہ اور مولانا محمد قاسم کا متبع۔ غلطی جب سمجھ میں آجائے تو اس سے رجوع کر سکتا ہوں۔ مگر ان غیر محققین علماء سے میرا کوئی اور ارتباط قائم نہیں ہو سکتا۔

میں نے تمھاری تصدیق کی کہ تم ابتدائی تعلیم ایک حد تک جاری کرنے میں کامیاب ہوئے، مگر تحقیق پسند لوگوں کو آگے چلایا جائے گا۔ تم آگے چلانے کے منکر یا دشمن معلوم ہوتے ہو۔ اس لیے ان پچھلے چھ مہینے میں تمھارے معاملات میں تعمق کرنا پڑا۔ ممکن ہے ہماری بعض رائیں غلط ہوں، مگر حیرانی ہوتی ہے کہ مولوی احمد علی مجھے اہل السنۃ سے نکالتا ہے، مجھ سے آگے علم سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میں اب آپ کے معاملے میں ایک طرح یکسو ہو چکا ہوں۔ اگر میری بات سمجھنا نہیں چاہتے تو ناحق پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں۔

کیا تفہیمات الٰہیہ، بدور بازغہ، تاویل الاحادیث یہ کتابیں اس قابل ہیں کہ انھیں نہ پڑھایا جائے؟ اور جو لوگ یورپ کی مادیت سے متاثر ہو چکے ہیں، انھیں ان کتابوں سے متعارف نہ کرایا جائے، بلکہ انھیں اسلام سے خارج کرنے کی کوششیں ہم کرتے پھریں؟ یہ مسلک، اگر کبھی پہلے ہم اس پر چلے ہیں تو اب قطعا" چھوڑ چکے ہیں۔ واللہ المستعان

عبید اللہ

مولانا سید سلیمان ندوی: (۱۵)

مکرمی المحترم زیدہ مجدہ و سلم

سلام مسنون۔ نوازش نامہ پہنچا۔ نہایت مسرت حاصل ہوئی۔ آپ کی علمی زندگی اور اس کے ارتقا کا مسلسل مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ میرا ہمیشہ سے یقین مستحکم قائم رہا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں جب صحیح سیاسی احساس پیدا ہوگا تو ان کو اسلام کی صحیح تعلیم دینے والے نوجوان اہل علم میں آپ کا درجہ بہت بلند رہے گا۔

میری طبیعت قدرے اچھی ہو رہی ہے۔ سندھ کی سیاسی جماعتوں کو امام ولی اللہ کی حکمت اور ان کی سیاست سے آشنا کرنے کے لیے ایک مستقل مرکز دارالرشاد کے متصل بنا رہے ہیں۔ کسی قدر کام شروع ہو گیا ہے ایک قطعہ زمین ندھ ساگر یونی ورسٹی کے لیے تجویز رلیا گیا ہے۔ اس میں

۱۔ بیت الحکمت

۲۔ سندھ ساگر ماڈل اسکول اور

۳۔ ج۔ ن۔ سندھ ساگر پارٹی کا ہیڈ کوارٹر ہوگا

دعا فرمائیں۔ والسلام

عبید اللہ

۲۲ر فروری ۱۹۴۳ء

(۱۶)

مولانا عتیق الرحمان عثمانی (دہلی):

مولانا سندھی مرحوم کی کتاب "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی سیاسی تحریک" پر برہان (دہلی) کے تبصرے میں ایک جملے پر تنقید کے جواب میں مصنف نے مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب کو وضاحتی خط تحریر فرمایا تھا۔ واضح رہے کہ جس جملے پر تنقید کی گئی تھی وہ کتاب مذکور کے شارح مولانا نور الحق علوی کے قلم سے تھا۔ برہان دہلی (اپریل ۱۹۴۳ء میں خط کے ابتدائی حصے القاب و آداب کو حذف کر دیا گیا تھا (ا۔ س۔ ش)۔

....

برہان کے نمبر ملے۔ خیال آیا کہ شکریے کے طور پر فقط یہ شعر لکھ دوں:

فلا زال غضبانا" علی لیا مما ازا رضیت غنی کرام عشیرتی

اکبر کے متعلق جو کچھ قابل تنقید سمجھا گیا ہے، میں اسے مانتا ہوں، یہ ایک غلطی ہے جس کی تصحیح ہونی چاہیے۔ میری عبارت کو یوں پڑھنا چاہیے۔

"سکندر لودی اور شیر شاہ نے جو ہندوستانی تحریک شروع کی اور اکبر نے اسے اپنا مقصد حیات بنالیا، وہ اساسا" صحیح تھی، مگر اسے چلانے والے آدمی میسر نہیں آئے۔ اس لیے غلط راستے پر پڑ گئی، امام ولی اللہ کی تعلیم حکمت کے بعد مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم جیسے عالم پیدا ہو گئے جو انسانیت عامہ کو ایک نقطے پر جمع کر سکتے ہیں اور عقلی دعوت سے سب کو اسلام سمجھا سکتے ہیں، جس سے عقل مندوں کا بڑا حصہ تو مسلمان ہو جائے گا اور ایک طبقہ اگرچہ اسلام قبول نہیں کرتا، مگر وہ اسلام کی انقلابی انٹر نیشنل سیاست کو مان لے گا۔ ان کی حیثت ذمیوں کی سی ہوگی۔

مقصد یہی ہے۔ الفاظ کی کوتاہی سے غلطی پیدا ہو گئی۔

جب کہ میں ماسکو کے انٹرنیشنلسٹ طبقے سے یہ عقل مندی کی آواز سن چکا ہوں کہ " اگر امام ولی اللہ کے اصول پر ہندوستانی مسلمانوں کی سوسائٹی ہوتی تو ہم اسلام قبول کر لیتے" تو اب اس کے بعد میرے اس یقین میں تزلزل پیدا نہیں ہو سکتا کہ " نیشنل کانگریس میں اگر انقلابی صف مسلمان نہ بھی ہوئی، تب بھی وہ ہماری سیاست کی اطاعت کریں گے۔

والسلام عبید اللہ

(۱۷)

مولانا مسعود عالم ندوی:

(۱)

محترم المقام مکرمی مولانا مسعود عالم صاحب زید مجدہ،

سلام مسنون! معارف کے دونوں نمبر آج ملے، ہماری سیاست میں ایسے حالات پیش آتے رہے کہ ہمارا سیاسی فکر بدل گیا، اسے ہم نہیں چھپاتے۔ کاش ہمارے دوست ہم سے اسباب انقلاب بھی سن سکتے۔ افسوس ہے کہ وہ معاملات ہم لکھوا بھی نہیں سکتے۔ اس

کے بعد ان کی رائے سے ہمیں شکایت نہ ہوتی۔ آپ براہ مہربانی شیخ عبدالحق بنارسی کا ترجمہ سلسلۃ العسجد میں دیکھ لیں جو نواب صاحب نے سلسلہ اسانید کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ ان کے اخراج کا واقعہ ایک رسالہ میں چھپا ہوا ہم نے مکہ معظمہ میں پڑھا تھا۔ وہ رسالہ مولانا احمد سعید کے خاندانی کتب خانے میں موجود ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا مطبوع ہے۔ شاہ عبدالغنی کی اس پر مہر ہے' شاہ اسحاق قدس سرہ کے فتاوے بھی اس میں درج ہیں اور سید محمد علی رام پوری کا مختصر بیان بھی مذکور ہے۔ اگر کہیں سے مل سکے تو اسے ضرور دیکھیے۔ ہمارا یہ فقرہ "کمپنی بہادر کی ڈپلومیٹک سازش" آپ غلط محل پر لے گئے اس قدر بدگمانی نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ مقصود تھا' جو مولانا حمید الدین مرحوم سے ہم نے سنا تھا کہ ان کے اطراف کے کوئی ملازم کمپنی سرحد میں گئے' اور مجاہدین اور افغانوں میں نفاق کا بیج بو آئے۔ مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ مجاہدین مع اپنے سرداروں کے شہید ہو گئے' تو وہ اپنے آپ کو الٹا بندھواتے اور کوڑوں سے پٹواتے۔ یہ عمل وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مسلسل جاری رکھتے رہے۔

زیدیہ اثنا عشری کی طرح نہیں۔ مگر وہ شورائی حکومت نہیں برداشت کرتے۔ امام خصوصی خاندان سے ہونا چاہیے۔ ہمارا زمانہ اس سیاست کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ان مسائل میں اختلاف رائے معیوب نہیں' مگر ایسی غلط فہمی نہ ہو جس کا اثر یہاں تک پہنچ جائے کہ مجاہدین کمپنی سے سازش رکھتے تھے۔ یہ ہمارا خیال ہے۔ یہ فقرہ ہم عرب انقلابیوں کے لیے تو استعمال کرتے ہیں اور اس کا وہ لوگ اعتراف کرتے ہیں۔ ہم تو ہندی اور عربی انقلابیوں میں یہی فرق قرار دیتے ہیں کہ کمپنی عربوں کی امداد کرتی رہی اور ہندیوں سے اس کا مقابلہ تھا۔

واللہ المستعان

عبیداللہ سندھی

۲۶ر مارچ ۱۹۴۳ء ہندی

(۲)

(۱۸)

محترم المقام زید مجدہ'

سلام مسنون! آپ تنقید لکھ رہے ہیں' مبارک ہو۔ افکار اسی طرح صاف ہوتے ہیں۔ آپ کو مطالعہ میں مدد دینے کے لیے رات ایک خط لکھ چکا ہوں' وہ حضرت مولانا سید

صاحب (۱) کے توسط سے آپ کو ملے گا۔ یہ دوسرا عریضہ براہ راست لکھ رہا ہوں۔

۱۔ آپ (نے مولانا ولایت علی کا مجموعہ دیکھ لیا ہے۔ غور سے مطالعہ کیجیے

۲۔ مولانا (۱) سید صاحب (الامیر الشہید) قدس اللہ سرہ العزیز کو "مہدی متوسط" نہیں بنا رہے۔

۳۔ اسمس (۳) میں ایک مجموعہ اربعین احادیث ہے' جو سرتاپا موضوع ہے۔ وہ عام لوگوں کو نہیں دکھلایا جاتا۔ پنجاب کے کسی مطبع میں چھپوایا ہے۔ اس میں ایسی حدیثیں بھی درج ہیں کہ مہدی پشاور کے شمالی کوہستان میں ملے گا۔ نواب (۴) صاحب نے اسی مجموعہ کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ کیا سوانح احمدی کا مصنف (۵) الامیر الشہید کو انگریزی رعایا بنا کر پیش کرتا ہے' کیا اس سے یہ اچھا نہیں ہوگا کہ وہ اپنی تحریک کے ڈیکٹیٹر تھے! غلطیاں ہوئیں مگر اماموں اور ڈیکٹیٹروں کی سی غلطیاں ہیں: گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں

آپ مجھے ایسا خیال کریں کہ دنیا کے لادینی ڈیکٹیٹروں کے مقابلے میں آنا چاہتا ہوں' یا متدین نوجوانوں کو ان کے مقابلہ کی ہمت افزائی کرتا ہوں۔ ہمارے متدین نوجوان کس راستہ سے آگے بڑھیں' وہ راستہ بناتا ہوں۔ عزیزوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ غلطیوں پر متنبہ کریں "فوراً" اصلاح کرلوں گا۔ مگر خدا کے لیے جمود چھوڑیں' آگے بڑھیں۔ میرا تجربہ ہے ہم اگر دلی کے بادشاہوں سے علاحدہ ہوتے ہیں' تو کابل' قسطنطنیہ وغیرہ ممالک میں کہیں بار نہیں پاتے۔ یہ بادشاہ ہمارے ہیں' ان کے غلط کاروں کی غلطیاں پکڑنا ہمارا فرض ہے اپنے گھر میں پاؤں نکالنے کے لیے جگہ نکالیے' پھر مسلمانوں سے ملیے ان سے سیکھیے۔ اگر کوئی مفید بات آپ نے بزرگوں سے محفوظ کرلی ہے' تو دنیا کو تعارف کرائیے۔

کیا آج یورپین مفکرین کے مقابلے میں آپ اپنا مفکر پیش کرسکتے ہیں' کیا ان ڈیکٹیٹروں کی دنیا میں آپ اپنا ڈیکٹیٹر اپنے لیے امام بنا کر آگے بڑھ سکتے ہیں؟ خدا کرے کہ آپ کی تنقید مجھے ہمت دلائے کہ صحیح بات زیادہ صاف لفظوں میں لکھ سکوں۔

اللہ رب العزۃ ہم پر رحم کرے۔ کاش ہم کبھی مل بیٹھتے اور تدریجی انقلاب کی سیڑھیاں جس طرح ہم نے طے کی ہیں' آپ کو ان کا پتہ نشان بتلاتے۔ فیصلہ آپ کا وہی زیادہ صحیح ہوگا جس میں ہر قسم کے معلومات سامنے آجائیں۔

عربک کالج کی اسکیم ذاتی مطالعہ کے لیے بھیجتا ہوں۔ والسلام

۲۶ مارچ ۱۹۴۳ء ہندی — عبیداللہ

دارالرشاد (گوٹھ پیر جھنڈا)

حواشی:

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی کی طرف اشارہ ہے'(۲) مولانا سے مراد ولایت علی ہیں۔(۳) آزاد قبائل کے علاقے میں مجاہدین کا مرکز (ا۔س۔ش)(۴) نواب صدیق حسن خان مرحوم مراد ہیں۔(۵) تواریخ عجیبہ یا سوانح احمدی مولوی محمد جعفر تھانیسری کی مشہور تصنیف ہے۔اس کتاب کی سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ مصنف نے نہ صرف بعض غلط نتائج نکالے بلکہ مزعومہ اور نہایت غلط نتائج نکالنے کے لیے حضرت سید احمد شہد کے خطوط میں تحریف کرڈالی۔ مولانا مسعود عالم ندوی کی اس پہلو پر نظر نہ تھی۔ مولانا سندھی مرحوم کا اشارہ اسی طرف ہے۔ مولانا نے اس مقام پر مندرجہ ذیل حاشیہ بھی لکھا ہے:

"سوانح احمدی کا مصنف الامیر الشہید کا تعلق امام عبدالعزیز سے کاٹنا چاہتا ہے۔ غور سے مطالعہ کیجیے! چالاک مصنف غیر مسلم ہیں۔ان کی کتابیں یا ان کے اقتباس عربی رسالوں میں پڑھ چکا ہوں۔ مکہ معظمہ کے دوران قیام میں۔ فقط

مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے اپنی محققانہ تصنیف "سید احمد شہید" میں تھانیسری مرحوم کی اس افسوس ناک جسارت پر متعدد مقامات پر بہ تفصیل لکھا ہے (ا۔س۔ش)۔

(۶) (۱۹)

مکرمی المحترم! سلام مسنون

کل اپریل کا معارف ملا۔ اس سے پہلے ایک پمفلٹ "البرہان" کو بھیج چکا ہوں'جس میں بعض مجملا" کی قدرے تفصیل ہے۔ اس میں حضرت سید صاحب کے مشورے کا بھی خیال رہا ہے۔ مگر بیمار ہوں اور کوئی کتاب بھی پاس نہیں'اس لیے مختصر یادداشت کے طور پر لکھنا پڑا۔ اجماع کی تفسیر میں آپ ازالۃ الخفاء میں مذہب عمر کا رسالہ بلکہ اس رسالہ کا مقدمہ' دو صفحے ضرور دیکھ لیں۔

امام شوکانی زیدی امیر یا امام کے قاضی رہے ہیں۔ایک امیر کی وفات پر اس کے جانشین امام سے پہلے خود بیعت کی اور پھر عوام سے امام کے نام پر بیعت لینے کا واسطہ بنے۔ کیا کوئی غیر زیدی یہ وظیفہ ادا کر سکتا ہے؟ بلکہ ہم نے ایک ایسا طائفہ دیکھا جو حنفیہ کو مشرکین کے درجہ پر مانتا ہے اور ہم ان کے ساتھ مدارات پر مجبور ہیں۔ انھیں لوگوں کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے ہم نے زیدیت کی بحث چھیڑی تھی۔ کیا حنفیت زیدیت سے بھی زیادہ قابل انکار ہے؟ زیدیہ میں سے ایک محقق اہل السنۃ کے لیے قابل تقلید مل سکتا ہے تو دیوبندی حنفیہ میں کیوں اس قسم کے عالم مستثنیٰ نہیں کیے جاتے؟ یہ واقعات مکہ معظمہ میں پیش آئے

اور ہم اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اس مخمصے سے ہمیں نجات ملی۔ ورنہ وہ لوگ ہمارے اخراج کی تدبیر سوچ رہے تھے۔ ہمارا یہ زمانہ ایسا تھا کہ ہم اپنے سیاسی انہماک کے غلبہ میں اسلامی فرقوں کی امتیازی چیزوں پر غور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن واقعات کی مجبوری سے بقدر ضرورت حصہ لینا پڑا۔ اب ہند میں معاملہ بالکل نئی صورت میں پیش ہو رہا ہے۔ گاندھی ازم' کے مقابلے میں ہمیں ایک فلاسفر پیش کرنا ضروری ہے۔ کیا ڈاکٹر اقبال کافی ہے۔ ڈاکٹر نٹشے کو مانتا ہے' تو علامہ مشرقی ڈارون کو' میں گاندھی کے متبعین کے ڈر سے ان حضرات پر جرح بھی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر ان کی تقلید بھی نہیں کرسکتا۔ اس لیے میں نے اپنے لیے "مخلص" امام ولی اللہ فلاسفی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ اسے آہستہ آہستہ پیش کر رہا ہوں۔

کیا امام ولی اللہ سیاسی متبوع بھی ہیں یا ان کی محض فکری بلند پروازی تھی؟ میں اپنے دیوبندی اسانید کی بنیاد پر ان کے سیاسی متبعین کا تسلسل قائم کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بیماری اور پریشاں حالی سے غلطیاں بھی صادر ہوتی رہیں گی۔ حسب الامکان اصلاح کرتا رہوں گا۔ ورنہ امید رکھتا ہوں کہ معاف کردیا جاؤں گا۔

آپ فراخ دلی سے تنقید کریں۔ ہم آپ کی جماعت سے علاحدگی اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ ہمارے اغلاط کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد نہ ہو۔ میں اس قدر کمزور ہوچکا ہوں کہ جنھیں میں اپنا سمجھتا ہوں وہ بھی منہ نہیں لگاتے۔ اس لیے

اوروں پہ کیوں نزول بلا اپنے ساتھ ہو   اب ہم مکان شہر سے باہر بنائیں گے

کا معاملہ ہے۔ والسلام   بیت الحکمت۔ دار الرشاد (گوٹھ پیر جھنڈا)

۲۲ر اپریل ۱۹۴۳ ہندی

عبید اللہ سندھی

(۴)   (۲۰)

مکرمی! سلام مسنون

آپ کا کارڈ ملا۔ میرے خطوط پرائیوٹ ہیں۔ محض آپ کو مطالعہ کے لیے متوجہ کرنا منظور ہے۔ رائے بدلنے کی کوشش یا پبلک میں مرافعہ منظور نہیں۔ اگر خدا کو منظور ہے اور ہم کبھی مل بیٹھے' تو بہت سے معاملات پر مذکرات کرسکتے ہیں۔ اس وقت میں بیمار ہوں۔ زیادہ عرض نہیں کرسکتا۔

تمام رفقائے محترم سلام مسنون قبول فرمائیں والسلام

۲۳ر مئی ۹۴۳ہندی عبید اللہ سندھی

دار الرشاد۔(گوٹھ پیر جھنڈا) (۲۱) (۵)

مکرمی المحترمی زیدہ مجدہ!

سلام مسنون۔ آج معارف دیکھا۔ کل "برہان" دیکھ چکا تھا۔ آپ کو وحدۃ الوجود کا مسئلہ سمجھنے میں لمبے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اگر کبھی ملاقات ہوئی تو کتابوں سے نشان دہی کر کے توسیع مطالعہ کے لیے راستہ بنانے میں مدد دوں گا۔ ہم نے امام ولی اللہ کی حکمت کے تعارف میں کچھ اشارات لکھے ہیں، بالفعل ان پر توجہ فرمایئے۔

آپ کو شبہ ہے کہ میں نجد و یمن اور زیدیت اور تشیع میں شاید اچھی طرح فرق نہیں کر سکتا۔ میں بارہ سال عرب میں رہا ہوں۔ یمن اور نجد کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہمارے ملک میں نواب صاحب کے اعوان یمن سے تعلق رکھتے ہیں اور میاں صاحب کے شاگردوں میں غزنوی (مرت سری) خاندان نجد سے وابستہ ہے۔ یہ دونوں مرکز امام ولی اللہ کو مانتے ہوئے ائمہ یمن اور نجد کو ان پر ترجیح دیتے ہیں۔ کمپنی بہادر کے زمانے میں یمن کے شیعہ علما آتے رہے۔ وہ اپنے ادبی کمالات سے ہند کو متاثر کرتے رہے اور امام ولی اللہ کے فکر کے سخت مخالف تھے۔ اس کے بعد نواب صدیق حسن سے قدرے پہلے مولوی عبد الحق ہند میں ایک مرکزیت کے مالک بن جاتے ہیں اور وہ زیدی ہیں، امام ولی اللہ کے فکر سے ہٹاتے ہیں، پھر نواب صاحب نے قاضی شوکانی سے اتصال پیدا کیا، امام ولی اللہ کے مسلک سے مخالف دعوت شروع کر دی۔ براہ مہربانی ان معمولی معاملات کو اہمیت نہ دیا کریں۔

مولانا شہید (۲) کو امام ولی اللہ سے علاحدہ فرض کرنے کی غلطی سے پرہیز کریں۔ مولانا شہید کی کتابوں کا گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

آپ کا کارڈ مورخہ ۶۔ مئی ملا۔ شکریہ، یہ خط و کتابت محض دوستانہ ہے اور پرائیویٹ ہے۔ والسلام

عبید اللہ

۱۴ر اگست ۹۴۳ہندی

گوٹھ پیر جھنڈا۔ ضلع حیدر آباد سندھ

(۲۲) (٦)

بجناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی دام عنایۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اس وقت علالت پر ہیں۔ چند دن تک ان کی حالت نہایت تشویش ناک رہنے کے بعد اب پھر اللہ کے فضل سے روبہ صحت ہے۔ کل آں ممدوح نے آپ کا استدراک' جو آپ نے ان کی تاریخ تحریک ولی اللہ محدث دہلویؒ پر ماہ فروری تا مئی ۹۴۳ ہندی میں "معارف" میں شائع کرایا تھا' پڑھوا کر سنا اور آج مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حضرت مولانا کی طرف سے تحریر کروں کہ

ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی دعوت کو اسلام میں اول درجے کی چیز مانتے ہیں۔ ان کے بعد امام ولی اللہ کی تحریک کو دوسرے درجے کی دعوت کا مقام دیتے ہیں۔ آج کل ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس کے متعلق ہم نے اطمینان کے ساتھ امام ولی اللہ کی تابعداری میں اپنا پروگرام (PROGRAMME) بنا لیا ہے۔ اب کہ اس میں کسی دوسرے پروگرام (PROGRAMME) کو تداخل کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ براہ مہربانی ہمیں معاف فرمائیں'

فقط والسلام

المخلص

بشیر احمد بی اے

معتمد خصوصی حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی

(۲۳)

'مولوی عزیز احمد (برادر خرد مولانا احمد علی لاہوری):

عزیزی سلمہ

سلام مسنون تمہارا خط ۱۴ر جون کا لکھا ہوا ملا۔ اس کا مختصر جواب لاہور بھیج دیا گیا۔ ہماری طبیعت نسبۃً اچھی ہے۔ سندھ مسلم لیگ کا پریزیڈنٹ جی ایم سید منتخب ہوا۔ اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ شاید اس ہفتہ میں کراچی آوٗں۔

ہماری خواہش تو یہی ہے کہ اور چند روز انتظار کرتے' ہم اپنا گھر تمہیں بنا دیں۔ اس کے لیے ضروری انتظام کر دیں۔ تب امۃ الرحمان آتی۔ ہمیں امید ہے کہ اب جلدی یہ انتظام ہو جائے گا۔ بفضلہ تعالیٰ بہت سا کام پورا ہو گیا ہے۔ لیکن اگر تمہاری رائے یہی ہے

کہ ابھی بچوں کو لے آؤ اور امۃ الرحمان اور اس کی والدہ اس میں راضی ہے تو ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں

ہمارا جی چاہتا ہے کہ اگر امۃ الرحمان اپنے مزاج کے موافق ایک خادمہ کو لا سکے تو اسے بھی لیتے آؤ۔ ہم اس کے اخراجات کا انتظام بھی کر دیں گے۔ واللہ الموفق

ہم نے پیر صاحب سے گھر کے لیے کہہ دیا ہے اور ہم نے ایک خادمہ رکھنے کا بھی ارادہ کر لیا ہے۔

سعید آباد کے مولوی عبدالحلیم سے ہم نے کہا تھا۔ اس نے ایک اچھی خادمہ کا نام بتلایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمھاری مرضی اور مشورہ یہی ہے تو سیدھے چلے آؤ۔ توکلاً علی اللہ۔ خدا اسامان کر دے گا۔ والسلام

سب عزیزوں کو سلام اور بچوں کو پیار

عبید اللہ

۲۲ر جون ۹۴۳ ہندی

دارالرشاد (پیر جھنڈا)

مولوی عبداللہ اور ان کی والدہ اور ان کی بہنیں سب سلام قبول کریں

(۲۴)

سرور شاہ گیلانی:

بخدمت شریف سرور شاہ گیلانی

مکرمی المحترم! زید مجدہ

سلام مسنون آپ کا عنایت نامہ ملا۔ دو تین بار پڑھا۔ نہایت مسرت ہوئی۔ میں جس وقت کراچی آیا، ضرور ملوں گا اور مفصل باتیں کرنے اور تبادلہ خیالات سے قابل عمل راہ ضرور نکل آئے گی۔

تنظیم مساجد ہمارا بھولا ہوا خواب ہے۔ محترم جی ایم سید نے ہمیں بھی وہ سرکلر بھیجا تھا۔ میں آپ سے ملنے کا متمنی ہوں۔ انشاء اللہ جس کے لیے عنقریب موقع ملے گا۔

والسلام

۸ر ستمبر ۹۴۳ ہندی

عبید اللہ

دارالرشاد (گوٹھ پیر جھنڈا)

(۴۵)

مولانا دین محمد وفائی:

مکرمی المحترم! زیدہ مجدہ

سلام مسنون، میں پچھلی رات ۲۴ گھنٹے بخار میں مبتلا رہا ہوں۔ ضعف کا غلبہ ہے ورنہ فوراً" آپ سے ملتا۔ میں نے ایک خط سکھر کے پتے پر لکھا ہے، پہنچا ہو گا۔

بحمدہ تعالیٰ مرکزی معاملہ جناب پیر صاحب سے اچھی طرح سے صاف ہو رہا ہے ہمیں اپنی تحریک کو کالج اور اس کی ساتھ کالجیٹ اسکول کی شکل میں بڑھا کر رفقا پیدا کرنے آسان ہوں گے۔ انھیں سے روپیہ ملے گا اور ان کے ہم فکر ہونے پر سیاسی کام شروع ہو گا۔ میں آپ سے ملنے کا محتاج ہوں۔ پروگرام اچھا تو کراچی میں بنے گا۔ مگر کام ہمیں شکارپور سے شروع کرنا چاہیے۔

مجھے آپ جلدی جواب دیں کہ کس مقام کو آپ پہلے پسند کرتے ہیں۔ والسلام

۱۔۵۔۴۴ ہندی

عبیداللہ

(۴۶)

مولانا حبیب اللہ و عزیز اللہ:

(۱)

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی (حیدر آباد، سندھ) اور مولوی عزیز اللہ (عزیز آباد تعلقہ پنو عاقل، ضلع سکھر۔ سندھ کے مساعی سے شہداد کوٹ (ضلع لاڑکانہ، سندھ) میں محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول کے نام سے ولی اللّٰہی علوم و معارف کی ایک درس گاہ مولانا عبیداللہ سندھی" کی ہدایت کے مطابق قائم کی گئی تھی۔ ۴ر گست ۱۹۴۴ء کو مولانا سندھی مرحوم کے دست مبارک سے اس کا افتتاح ہونا تھا اس سلسلے میں مولانا سندھی" نے ۲۴ر جولائی کو یہ خط لکھ کر تقریب افتتاح کا پروگرام دریافت فرمایا تھا۔

اس خط میں جن دو اصحاب کے نام آئے ہیں، ان میں مولوی عبد المجید امجد مولانا سندھی کے ایک شاگرد تھے اور مولانا وفائی سے مراد سندھی زبان کے مشہور صحافی اور ادیب تھے جو مولانا سندھی سے دوستی کا رشتہ رکھتے تھے

مولانا سندھی ان دنوں بیمار اور کراچی میں صاحب فراش تھے۔ یہ خط انھوں نے اپنے ایک شاگرد کو املا کرایا تھا اور دستخط خود فرمادیے تھے۔

یہ خط اور بعد کا تار مولوی عزیز اللہ (پنو عاقل) کے شکریے کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ ا۔ س۔ ش)۔

میں بیمار ہوں لیکن اس کے باوجود آپ کی مبارک تقریب میں شریک ہونا چاہتا ہوں ۔ آپ ہمیں صاف طور پر مطلع فرمائیں کہ ہم اگست کی کس تاریخ تک لاڑکانہ پہنچ جائیں۔ ہم اپنے حالات کے مطابق تیاری کریں گے۔

ہمارے ساتھ عبدالمجید اور مولانا وفائی بھی ہوں گے۔

عبیداللہ سندھی

۲۴۔ ۷۔ ۹۴۴ (ہندی)

بیت الحکمت و سندھ ساگر اکادمی۔ لیاری

مدرسہ مظہرالعلوم۔ کراچی

(۲۷)

(۲)

مولوی حبیب اللہ بعدہ عزیز اللہ

(محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول)،

تعلقہ شہداد کوٹ، (ضلع لاڑکانہ)

مولانا سندھی بیمار تو پہلے ہی تھے خط لکھنے کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو اسکول کے کارکنان کو حالت سے مطلع فرمایا۔ اس کے باوجود عزم سفر فسخ نہ فرمایا تھا۔ تقریب میں شرکت کی شدید آرزو رکھتے تھے ۔ ۲ر اگست کو بیماری میں کچھ افاقہ تو مختصر افتتاحی خطبہ اپنے قلم سے تحریر فرمایا اور اسے فوراً" چھپوانے کا انتظام کیا لیکن سفر کے ہمت نہ ہوئی تو ایک شاگرد کے ہاتھ شہداد کوٹ بھجوادیا۔ حالت سے اطلاع کا تار یہ ہے۔ یہ تار انگریزی زبان کے تیرہ لفظوں پر مشتمل تھا، نو روپے اس کی اجرت ادا کی گئی تھی اور ۲۹ر جولائی کو شہداد کوٹ (ضلع لاڑکانہ) میں وصول کیا گیا تھا (ا۔ س۔ ش)۔

کراچی

۲۸ر جولائی ۱۹۴۴ء (ساڑھے گیارہ بجے)

برائے عزیز اللہ معرفت مولوی حبیب اللہ۔ شہداد کوٹ

صحت بدتر ہوگئی ہے۔ سفر سے منع کردیا گیا ہے۔ معذرت ہے۔

عبیداللہ سندھی

(۲۸)

مولانا محمد صادق، کراچی:

(مکہ مکرمہ)

۲- محرم الحرام ۱۳۵۸ھ (مطابق ۲۱- فروری ۱۹۳۹ء)

بخدمت شریف محترم المقام حضرت مولانا محمد صادق زید مجدہم، سلام مسنون!

آپ کے تمام خط پہنچ گئے اور دار العلوم (دیو بند) کے بزرگوں کے عنایت نامے بھی مل گئے ہیں۔ اب ۲۱- فروری کو جا کر کہیں مجھے پاسپورٹ ملا ہے۔ تقریباً ۲۷- فروری کو حج لائن کا جہاز دستیاب ہو سکے گا۔ اسی سے سفر کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ کو منظور ہوا تو روانگی کے وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب کو بحری تار کر دیا جائے گا، جس کا انتظام مولانا نے کر دیا ہے۔ اس لیے اب اور کوئی تار نہیں کروں گا۔

شیخ عبد المجید نے بھی مجھے اپنا مہمان بنانے کی دعوت دی ہے۔ وہ بھی مجھے بہت عزیز ہیں۔ لیکن آپ میرے استاد بھائی ہیں، اس لیے پہلے میں آپ کے پاس ٹھہروں گا، اس کے بعد اس عزیز کے پاس جاؤں گا۔

قاضی حکیم فتح محمد صاحب، مولانا محمد صدیق صاحب، شیخ عبد المجید اور دوسرے دوست سلام قبول فرمائیں۔

عبید اللہ

(۲۹)

آئندہ تین خط ثناء اللہ سومرو کی جستجو کا نتیجہ ہیں۔ ان کے شکریے کے ساتھ درج کیے

جاتے ہیں۔(ا۔س)

بخدمت شریف مولانا المحترم محمد صادق صاحب

سلام مسنون! آپ سے رخصت ہو کر دین پور پہنچا۔ دین پور میں دو رات رہا، تیسرے دن لاہور پہنچا۔ دو دن وہاں بیمار پڑا رہا۔ کل دیوبند پہنچا ہوں۔ میرا ارادہ تو تھا کہ دہلی ہوتا ہوا دیوبند جاؤں گا اور یکم اپریل کو واپس کراچی پہنچ جاؤں گا۔ مگر افسوس کہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے آج بھی سفر نہ کر سکوں گا۔ شاید کل بھی آرام کی ضرورت ہو اس لیے اب یکم اپریل تک تو دہلی پہنچنا بھی مشکل ہو گا۔ اس لیے اب سندھ تعلیمی کانفرنس میں پہنچنا تو ممکن ہی نہیں۔ اب ارادہ ہے کہ دہلی ہوتا ہوا پھر لاہور کی طرف جاؤں۔ اس لیے خیال ہے کہ کراچی پہنچنے میں دو ہفتے لگ جائیں گے۔ اگرچہ یہ کوئی قطعی پروگرام نہیں ہے۔ جیسے حالات پیش آئیں گے عرض کروں گا۔

آپ مہربانی فرما کر پیر صاحب کی خدمت میں میری غیر حاضری کا عذر پیش کر کے معافی مانگیں۔ مولوی عبداللہ سے کہیں کہ وہ کراچی میں رہیں۔ میرا پروگرام قطعی نہیں ہے، اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ جلد کراچی پہنچ جاؤں۔

تمام احباب خصوصاً جناب حکیم محمد صدیق صاحب کو السلام علیکم کہہ دیں۔

عبیداللہ

۲۹۔مارچ ۹۳۹ ہندی

(۳۰)

قاسم العلوم۔لاہور، ۱۳۔اپریل ۹۳۹ ہندی

حضرت مولانا المحترم، سلام مسنون!

آپ کے خطوط مجھے مل گئے تھے۔ میں دہلی سے لاہور پہنچ گیا ہوں۔ آپ تک

پہنچنے میں ابھی ایک ہفتہ اور لگ جائے گا۔ الحمد للہ اب میری طبیعت ٹھیک ہے۔ صرف ایک پریشانی ہے۔ اگر مجھے دیو بند جانا پڑا تو سندھ واپس ہونے میں زیادہ وقت لگ جائے گا۔ مفصل حالات دوسری دفعہ لکھوں گا۔

اصلاح میں یہ خبر پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے طالب علموں کو پریڈ (فوجی قواعد) سکھانا شروع کر دیا ہے (۱)۔ جناب حکیم صاحب کے صاحبزادے دہلی میں تھے (۲) اصلاح کا وہ پرچہ بھی انھیں سے ملا تھا۔

جناب حکیم صاحب، مولانا محمد صدیق، مولانا عبداللہ (لغاری) اور مولوی فضل احمد کو میرا اسلام کہیں اور شیخ عبداللہ اسلام اور حافظ محسن وغیرہ حضرات کو بھی۔

والسلام

عبید اللہ

حواشی:

(۱) اصلاح کراچی میں خبر شائع ہوئی تھی کہ مدرسہ مظہر العلوم کے طلبہ کے لیے فوجی پریڈ لازم قرار دی گئی ہے۔

(۲) حکیم صاحب اور ان کے صاحبزادے سے مراد حکیم شیخ محمد سہوانی اور حکیم محمد احسن ہیں۔

(۳۱)

بخدمت شریف مولانا المحترم زید مجدکم

سلام مسنون!

آج کل آرام ہے۔ کل یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ ایک رات دین پور میں، ایک رات بھرچونڈی میں اور ایک رات امروٹ میں رہ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

دانت نکلوا دیے ہیں، خون بہت نکلا، ضعف بہت بڑھ گیا ہے۔ چہرے پر سوجن آگئی تھی۔ سفر کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ چار پانچ دن بیکار پڑا رہا، ورنہ اسی عرصے میں دہلی اور دیو بند سے ہوتا ہوا آپ کی خدمت میں پہنچ جاتا۔ واللہ الموفق

جناب حکیم فتح محمد صاحب، مولوی فضل احمد، جناب مولوی محمد صدیق، مولوی عبداللہ (لغاری) وغیرہ احباب سلام مسنون قبول فرمائیں۔

عبیداللہ

۲۲-اپریل ۹۳۹ ہندی

خدام الدین، لاہور

حصہ دوم

مکاتیب مولانا عبیداللہ سندھی

اس حصے میں محمد اقبال شیدائی کے نام حضرت مولانا سندھی کے چھتیس فکرانگیز
خطوط اور پروفیسر محمد اسلم صاحب کے قلم سے
مکتوبات اور مکتوب الیہ کا تعارف ہے

مکاتیب بنام اقبال شیدائی: ایک تعارف

گذشتہ سال مجھے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے بانی ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے از رہ شفقت مجھے اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی مرحوم و مغفور کے نوادرات اور ذاتی کاغذات دکھائے۔ ان نوادرات میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ کے درجنوں خط موجود تھے۔ میں نے ان خطوط میں دلچسپی ظاہر کی تو اگلے روز ڈاکٹر صاحب قبلہ نے ان کے عکس مجھے عنایت فرمائے۔ میں نے گذشتہ ایک سال ان خطوط کے عمیق مطالعہ اور تدوین و ترتیب میں صرف کیا ہے اور اب ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ صاحب کے شکریہ کے ساتھ انھیں شائع کر رہا ہوں۔

مکتوب نگار:

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی ۱۰؍ مارچ ۱۸۷۲ء کو چیانوالی، ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام بوٹا سکھ تھا۔ ان کا والد رام سنگھ ان کی ولادت سے چار ماہ پہلے سور گباش ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کے دادا جسپت رائے نے سنبھالی لیکن دو سال بعد وہ بھی راہی ملک بقا ہوا۔ اپنے سسر کی وفات کے بعد ان کی والدہ انھیں لے کر جام پور (ضلع ڈیرہ غازی خان) چلی گئی۔ جہاں اس کے دو بھائی بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ مولانا سندھی کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری ان کی ماموؤں نے لی اور جب وہ اسکول جانے کے قابل ہو گئے تو انھیں اردو مڈل اسکول جام پور میں داخل کروا دیا۔

۱۸۸۴ء میں ان کے ایک آریہ سماجی ہم جماعت نے ایک نو مسلم عالم مولانا عبید اللہ مالیر کوٹلوی کی مایہ ناز تصنیف تحفۃ الھند انھیں مطالعہ کے لیے دی، جس کے مطالعہ سے اسلام کی حقانیت ان کے دل پر نقش ہو گئی اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔(۱) تحفۃ الھند کے مصنف کے نام کی رعایت سے انھوں نے اپنا نام عبید اللہ تجویز کیا اور گھر والوں سے چھپ

کر نمازیں ادا کرنے لگے، لیکن یہ صورت حال خود ان کے لیے قابل قبول نہ تھی۔ اس لیے موصوف ۱۵/ اگست ۱۸۸۷ء کو اپنے گھر سے فرار ہو گئے اور مختلف مدرسوں اور خانقاہوں کے چکر کاٹتے ہوئے بھرچونڈی شریف میں سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ کی خدمت میں پہنچ گئے ۔ ان بزرگ نے انھیں اپنے بیٹوں کی طرح رکھا اور ان کے حق میں یہ دعا کی "خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔

بھرچونڈی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا سندھی دین پور شریف چلے آئے اور وہاں مولانا غلام محمد صاحب کی خدمت میں رہ کر ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں انھیں دار العلوم دیوبند میں داخلہ مل گیا اور حافظ محمد صدیقؒ کی دعا سے انھیں وہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے بزرگوں کی صحبت ملی، جس نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

انیسویں صدی کے اواخر میں برعظیم پاک و ہند کے طول و عرض میں میاں نذیر حسین محدث کے درس حدیث کا بڑا شہرہ تھا۔ مولانا سندھی نے دہلی جا کر ان سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی سماعت کی۔ اسی طرح کچھ عرصہ کانپور میں رہ کر مولانا احمد حسن کانپوری سے حکمت و فلسفہ کی بنیادی کتابیں پڑھیں اور رام پور جا کر مولوی ناظر الدین سے منطق کا درس لیا۔ مولانا سندھی نے آخری چند ماہ دیوبند میں اپنے محبوب استاد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں گزارے اور ۱۸۹۱ء میں ان کی دعائیں لے کر امروٹ شریف روانہ ہوئے۔ امروٹ شریف کے سجادہ نشین مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی خواہش پر مولانا سندھی نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ان کی تحریک پر اسلامیہ اسکول سکھر کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خاں کی دختر نیک اختر سے ان کا نکاح ہو گیا(۲)

۱۹۰۱ء میں مولانا سندھ کے ایک بڑے روحانی مرکز گوٹھ پیر جھنڈا منتقل ہو گئے۔ جہاں پیر صاحب جھنڈا کی سرپرستی میں انھوں نے مدرسہ دار الرشاد کی بنیاد رکھی۔

مولانا سندھی کی زندگی میں ۱۹۰۸ء بڑا اہم سال ہے اور یہیں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی سال حضرت شیخ الہندؒ نے انھیں دیوبند طلب فرما کر جمعیت الانصار کی تاسیس کا کام ان کے سپرد کیا۔ مولانا سندھی کے مخصوص نظریات کی بنا پر دیوبند کے ارباب اہتمام ان کے مخالف ہو گئے اور مدرسین دار العلوم میں سے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا

شبیر احمد عثمانیؒ نے ان کی مخالفت شروع کردی ' جو ان کی تکفیر پر منتج ہوئی۔ ان حالات میں حضرت شیخ الہندؒ کے مشورہ پر دیوبند سے دہلی منتقل ہوگئے۔ جہاں انھوں نے ۱۹۱۲ء میں نظارۃ المعارف کی بنیاد رکھی۔ حضرت شیخ الہندؒ، حکیم محمد اجمل خاں اور نواب وقار الملک جیسے بزرگ اس ادارے کے سرپرست بن گئے۔

۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تو برعظیم (۳) سے بیشتر انگریزی فوج مشرق وسطیٰ اور یورپ کے محاذ پر روانہ ہوگئی۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کا کام مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولانا فضل ربی کے سپرد کیا۔ مولانا عزیر گل ' حضرت شیخ الہندؒ اور حاجی صاحب کے درمیان رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے (۴)۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبید اللہ سندھی کو اپنے مشن کی تکمیل کے لیے کابل روانہ فرمایا۔ حضرت شیخ الہندؒ یہ چاہتے تھے کہ امیر افغانستان برعظیم پر حملہ کردے اور ادھر حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولانا فضل ربی قبائلی لشکر کے ساتھ انگریزی علاقے پر چڑھائی کردیں۔ ادھر برعظیم کے مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ انگریز ان دنوں یورپ اور مشرق وسطیٰ کے محاذوں پر جرمنی اور ترکی کے خلاف نبرد آزما تھے ' اس لیے وہ برعظیم کا دفاع نہیں کرسکیں گے اور بالاخر برعظیم آزاد ہوجائے گا مولانا عبید اللہ سندھی ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کوئٹہ اور قندھار ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے (۵)۔ ان کی آمد سے تیرہ روز قبل ہندوستانی ' ترکی ' جرمن مشن کابل پہنچ چکا تھا۔ اس مشن کی یہ خواہش تھی کہ افغانستان فوراً برعظیم پر حملہ کردے اس لیے جب مولانا سندھی کابل پہنچے تو ان دنوں وہاں سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔

انہی ایام میں مولانا عبید اللہ سندھی ' راجہ مہندر پرتاب اور مولوی محمد برکت اللہ بھوپالی نے کابل میں "حکومت موقتہ ہند" کی بنیاد رکھی اور جاپان اور روس سمیت متعدد ممالک کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ بعض ناسمجھ لوگ مولانا سندھی کو اس بنا پر مطعون کرتے ہیں کہ انھوں نے "حکومت موقتہ ہند" کا سربراہ ایک ہندو (راجہ مہندر پرتاب) کو کیوں بنایا؟ مولانا سندھی اور ان کے بعض رفقاء کی تحریروں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان نے انھیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ جو کام بھی کریں اس میں برعظیم کی اکثریت (ہندوؤں) کو نظرانداز نہ کریں (٦)۔ اس لیے انھیں مجبوراً یا

مصلحتاً" ایک ہندو کو اس حکومت کا سربراہ بنانا پڑا(۷)۔

مولانا سندھی کی کابل روانگی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اپنے مشن کی تکمیل کے سلسلہ میں حجاز مقدس تشریف لیے گئے تاکہ وہاں کے ترک گورنر کے توسط سے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کریں اور اسے اس پر آمادہ کریں کہ وہ روس یا ایران کے راستے افغانستان کی فوجی مدد کرے تاکہ افغانستان برعظیم پر حملہ کردے۔ کابل میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی نے اپنی پوری اسکیم ریشمی رومالوں پر لکھ کر عبدالحق نامی ایک قاصد کے ذریعے شیخ عبدالرحیم سندھی کے پاس حیدر آباد سندھ روانہ کی اور انھیں یہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی معتبر حاجی کے ذریعے یا خود مکہ مکرمہ جاکر یہ خطوط حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچادیں۔ جب وہ قاصد ملتان پہنچا تو اپنے ایک قدیم مربی خان بہادر رب نواز خان سے ملنے چلا گیا(۸)۔ خان بہادر نے باتوں باتوں میں اس سے تمام راز اگلوا لیا اور انگریزوں کی خوشنودی کے حصول کی خاطر اسے ملتان ڈویژن کے کمشنر کے حوالے کردیا(۹)۔ خطوط کی برآمدگی کے بعد برطانوی حکومت چوکنی ہوگئی اور سیکڑوں افراد کو اس سازش میں شریک ہونے کے الزام میں گرفتار کرلیا۔ ادھر انگریزوں نے حسین، شریف مکہ کی وساطت سے حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے رفقا سمیت گرفتار کرکے مالٹا میں نظربند کردیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے شہزادہ نصراللہ خاں کو، جو انگریز دشمنی کے لیے افغانستان کے سیاسی حلقوں میں مشہور تھا، برعظیم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اتفاق سے انگریزوں کے کان میں اس کی بھنک پڑگئی اور انھوں نے چہار باغ (قندھار) کے ایک پیر صاحب کو، جو شہزادہ موصوف کے روحانی مرشد تھے، اس پر آمادہ کیا کہ وہ شہزادے کو اس اقدام سے باز رکھیں۔ پیر صاحب موصوف نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خواب میں فرمایا ہے کہ شہزادہ کو برعظیم پر حملہ کرنے سے باز رکھو، ورنہ بڑا نقصان ہوگا(۱۰)۔ مولانا محمد علی کیتنب "مشاہدات کابل و یاغستان" میں تحریر فرماتے ہیں کہ انگریزوں نے اس خدمت کے عوض پیر صاحب کو پچاس لاکھ روپے بطور نذرانہ پیش کیے(۱۱)۔ تحریک کی ناکامی کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ امیر حبیب اللہ خاں پہلی عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا انگریزوں سے بھاری معاوضہ وصول کیا کرتا تھا(۱۲)۔

امیر حبیب اللہ خاں کے قتل کے بعد امان اللہ خاں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں

انگریزوں اور افغانوں کے درمیان ایک جنگ ہوئی جو افغانستان کی تاریخ میں "جنگ استقلال" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس جنگ کے نتیجہ میں انگریزوں نے افغانستان کو خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کرلیا اور امیر موصوف سے یہ کہا کہ انگریزوں کے خلاف کابل میں جو کام ہو رہا ہے، اسے فوراً" بند کردیا جائے۔ بنابریں حکومت افغانستان نے مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے رفقا کو سیاسی سرگرمیاں بند کرنے کا حکم دیا۔ اس پر مولانا کابل سے ماسکو روانہ ہو گئے۔

ماسکو میں ان کا قیام تقریباً" آٹھ ماہ تک رہا۔ روس میں قیام کے دوران میں انہوں نے کمیونزم کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کے معاشی نظام کا کوئی جواب نہیں ہے۔ نیز شاہ ولی اللہ دہلوی نے جس انداز سے مزدوروں، کاشتکاروں اور اہل صنعت و حرفت کے مسائل حل کیے ہیں، ویسا حل کمیونسٹ بھی پیش نہیں کرسکے۔ ماسکو میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی کی روس کے وزیر خارجہ چیچرن سے چند ملاقاتیں ہوئیں۔ جس کی تفصیل ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" میں موجود ہے یہ غلط ہے کہ مولانا وہاں اور لینن سٹالن سے ملے (تھے)۔

جولائی ۱۹۲۳ء میں مولانا سندھی روس سے ترکی تشریف لے گئے۔ ان کی آمد سے قبل اتاترک عثمانی سلطان کے سیاسی اختیارات سلب کرچکا تھا اور اگلے سال اسے برائے نام خلافت سے بھی محروم کردیا۔ مولانا سندھی نے تقریباً" تین سال ترکی میں گزارے اور وہاں انہوں نے بڑے قریب سے اتاترک کو ترکی میں اصلاحات نافذ کرتے دیکھا۔

ترکی میں قیام کی دوران میں مولانا سندھی نے اپنا سیاسی پروگرام شائع کیا ان کے پیش نظر چند مقاصد تھے،

۱۔ برعظیم کے لیے کامل آزادی حاصل کرنا اور آزاد وطن میں وفاقی نظام حکومت قائم کرنا۔

۲۔ برعظیم میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں اور اسلام کو محفوظ کرنا۔

۳۔ برعظیم میں محنت کش طبقہ کی اکثریت رکھنے والی حکومت قائم کرنا۔

۴۔ امپیریل ازم کا توڑ کرنے کے لیے ایشیاٹک فیڈریشن بنانا۔

اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لیے مولانا سندھی نے سوراجیہ پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت تشکیل کی۔ یہ پارٹی رنگ و مذہب اور مال و دولت کے فرق کو مٹا کر

برعظیم میں حکومت قائم کرنا چاہتی تھی (۱۳)۔

مولانا سندھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ برعظیم کے تین قدرتی حصے ہیں: یعنی شمال مغربی، مشرقی اور جنوبی (۱۴)۔ وہ ان حصوں کو لسانی اور تمدنی بنیادوں پر صوبوں میں تقسیم کر کے وہاں جمہوری حکومتیں قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ جمہوریتیں داخلی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گی اور وفاقی حکومت کے پاس صرف امور خارجہ، دفاع اور ایکسپورٹ وامپورٹ کے محکمے ہوں گے۔

مولانا سندھی یہ چاہتے تھے کہ ان جمہوریتوں کی مجالس قانون ساز میں کسان، مزدور، دماغی کام کرنے والے کلرک، تاجر اور کارخانہ دار اپنی آبادی کے تناسب سے، اپنے ہی طبقے سے نمایندے چنیں۔ اس طرح ان مجالس قانون ساز میں محنت کشوں کی اکثریت ہوگی اور یہ لوگ اپنے مفاد کی کماحقہ حفاظت کر سکیں گے۔

مولانا سندھی فوائد عامہ کے تمام ذرائع قومیانے کے حق میں تھے۔ اسی طرح وہ منقولہ جائداد کی حد متعین کرنے کے بھی حامی تھے۔ زرعی زمینوں کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ ایک کاشتکار کے پاس اتنی ہی زمین ہونی چاہیے جس پر وہ خود کاشت کر سکے۔ وہ سودی نظام ختم کرنا چاہتے تھے اور قومی ملکیت میں لیے گئے کارخانوں کو مزدوروں کی انجمنوں کے ذریعے چلانے کے حامی تھے۔ داخلی تجارت کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ اسے کوآپریٹو سوسائٹیوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اگر کاروباری لوگ چاہیں تو وہ ان سوسائٹیوں کے رکن بن سکتے ہیں، جہاں تک برآمدات کا تعلق ہے، یہ حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی۔

مولانا سندھی مڈل تک مفت اور لازمی تعلیم کے حامی تھے۔ وہ محنت کشوں کو مفت طبی امداد اور صاف ستھرے گھر دلانا چاہتے تھے۔ مولانا کا یہ خیال تھا کہ جمہوریت کا سرکاری مذہب وہاں کی اکثریت کا مذہب ہونا چاہیے۔ لیکن وفاقی حکومت سیکولرازم پر کاربند ہو اور وہ کسی جمہوریت کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

جہاں تک وفاقی حکومت میں ریاستوں کی نمایندگی کا تعلق ہے، مولانا سندھی کی رائے تھی کہ مختلف ریاستیں اپنے تناسب آبادی، اقتصادی، تمدنی اور فوجی اہمیت کی بنا پر حق نمایندگی حاصل کریں گی۔

اس پروگرام کو ان کی سرور اجیہ پارٹی عمل میں لائے گی۔ اس پارٹی کے ہر رکن کے لیے یہ لازمی ہوگا کہ اس کا معیار زندگی ملک کے ایک عام کسان کے معیار زندگی سے بلند نہ ہو

-وہ اپنی فاضل آمدنی یا جائداد پارٹی کے نام وقف کردے (۱۵)۔

مولانا سندھی نے ترکی حکومت کی اجازت سے یہ پروگرام طبع کروا کے اپنے دوست واحباب کو بھیجا۔ برطانوی حکومت نے ۱۵ر مئی ۱۹۲۵ء کو ایک حکم نامہ کی رو سے برعظیم میں اس پروگرام کے داخلہ پر پابندی عاید کردی۔

۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے نمایندوں کو جمع کیا اور انھیں بتایا کہ حرمین شریفین پر اس کا قبضہ ہو چکا ہے اس لیے اب اس کی مخالفت کرنے کی بجائے افہام و تفہیم کا راستہ تلاش کرنا چاہیے۔ مکہ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے برعظیم سے مسلم زعما ایک وفد کی صورت میں حجاز پہنچے تھے، مولانا سندھی ان سے ملنے کی غرض سے اگست ۱۹۲۶ء میں ایک اطالوی جہاز میں سوار ہو کر جدہ پہنچے، لیکن اس وقت کانفرنس ختم ہو چکی تھی اور زعما واپس جا چکے تھے۔

اگلے تیرہ سال مولانا سندھی نے حرم شریف میں گزارے۔ مکہ مکرمہ آکر وہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصانیف کے مطالعہ اور ان پر غور و فکر کرنے میں گزرتا تھا۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ صرف شاہ صاحب کی تعلیمات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

۱۹۳۷ء میں جب برعظیم کے متعدد صوبوں میں کانگرس بر سر اقتدار آئی تو کانگریسی رہنماؤں نے مولانا سندھی کی واپسی کے لیے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ ادھر برطانوی حکومت کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ مولانا سندھی سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انھیں واپس وطن آنے کی اجازت مل گئی اور موصوف ۱۹۳۹ء میں وطن لوٹ آئے۔

مراجعت وطن کے بعد مولانا سندھی کا قیام جامعہ ملیہ دہلی میں رہا۔ ربع صدی تک غیر ممالک میں رہ کر ان میں وسعت قلب و نظر پیدا ہو گئی تھی اور موصوف فرقہ پرستی اور گروہ بندی سے بہت بلند ہو چکے تھے، اس لیے دیوبند کے اکابرین کے ساتھ ان کا نباہ مشکل ہو گیا۔ وہ مولانا سندھی کے مخصوص نظریات کی بنا پر ان کی ڈٹ کر مخالفت کرنے لگے۔ ادھر مولانا مسعود عالم ندوی نے ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ میں ان کے خلاف قسط وار مضامین لکھنے شروع کیے جن کا دندان شکن جواب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ماہنامہ برہان دہلی میں دیا۔ جو بعد میں

کتابی صورت میں "مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد" کے عنوان سے چھپ گیا۔

مولانا سندھی یہ کہتے تھے کہ زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے اور برعظیم کے مسلمان، خصوصاً" مذہبی طبقہ بہت پیچھے رہ گیا ہے، اس لیے انھیں پرانی ڈگر سے ہٹ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

مراجعت وطن کے بعد انھوں نے اپنے مخصوص نظریات متعدد اصحاب کو املا کروائے اور قرآن کریم کی متعدد سورتوں کی شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں تفسیر لکھی جن میں مزدوروں، کاشتکاروں اور محنت کشوں کے مسائل پر زمانہ حاضر کے تقاضوں کے مطابق روشنی ڈالی۔ مولانا سندھی کے تلمیذ الرشید اور برعظیم کے نامور عالم دین، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرمایا کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے بعد مولانا سندھی سے زیادہ روشن دماغ عالم برعظیم میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علامہ اقبال کی وجہ سے موجودہ صدی میں مولانا رومی کو دوبارہ شہرت ملی اسی طرح مولانا سندھی کی وجہ سے شاہ ولی اللہ کا چرچا ہوا۔

وسط ۱۹۴۴ء میں مولانا عبید اللہ سندھی، سندھ کا دورہ کر رہے تھے کہ ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور موصوف اپنی بیٹی کے پاس دین پور تشریف لے گئے۔ یہیں ۲۲ر اگست ۱۹۴۴ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے معتقدین نے ان کے جسد خاکی کو ان کے مرشد مولانا غلام محمد دین پوری کے مزار کے پائنتی دفن کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعاً" وکثیراً"

خطوط کی اہمیت:

مولانا سندھی کی اب تک جتنی تصانیف شائع ہوئی ہیں وہ سب امالی ہیں۔ وہ خود بہت کم لکھتے تھے اور جب کوئی مضمون ذہن میں آتا تو وہ دوسروں کو املا کروا دیتے تھے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی مسئلہ پر اظہار خیال کرتے تو سامع گھر جا کر اسے اپنے الفاظ میں قلمبند کر لیتا۔ اس لیے ان کے ملفوظات بڑی احتیاط سے پڑھنے چاہیں اور یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یہ بات مشہور ہے کہ مولانا سندھی کے بعض تلامذہ نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے موصوف کا نام استعمال کیا ہے۔

مولانا سندھی کے مکتوبات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ وہ تحریک آزادی کے ایک سرگرم کارکن اور نڈر سپاہی تھے اور انھوں نے حصول آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ یہ خطوط املائی نہیں بلکہ ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ خطوط اس لیے بھی اہم ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ۱۹۱۶ء میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب لکھنؤ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نمایندے باہمی تعارف کے ایک معاہدے پر دستخط کر رہے تھے۔ ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ لالہ لاجپت رائے نے جو تجویز پیش کی تھی، وہ ان سے ملاقات کے بعد پیش کی تھی اور اسی بنا پر انگریزوں نے انھیں سائمن کمیشن کی آمد پر عمداً" مروا دیا تھا۔ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۶ء برعظیم کی سیاست کی بہت سی گتھیاں ان کے خطوط کے مطالعہ سے حل ہوتی ہیں۔

مولانا سندھی کے خطوط سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ موصوف اپنے دل میں قادیانیوں اور خصوصاً" لاہوری احمدیوں کے لیے ایک نرم گوشہ رکھتے تھے۔ انھوں نے ان خطوط میں حکیم نورالدین بھیروی اور مولوی محمد علی لاہوری کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا برملا اعتراف کیا ہے، بلکہ ایک موقع پر تو وہ یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ ہجرت سے قبل وہ مولوی محمد علی سے ملے تھے اور ان کے مشورے اب تک ان کے کام آرہے ہیں۔ "افادات و ملفوظات" میں انھوں نے قادیانیوں کے بارے میں سخت رویہ اختیار کیا ہے۔

مولانا سندھی کے ان خطوط کی اشاعت ایک سرکاری ادارے نے منظور کرلی تھی لیکن اسی "نرم گوشہ" کی بنا پر اس ادارے کے سربراہ گھبرا گئے۔ آج بھی ایک دوست نے ایسے خطوط کو، جن میں قادیانیوں کے ساتھ ملاقاتوں کا ذکر ہے، گول کر جانے کا مشورہ دیا ہے، لیکن میں مولانا سندھی کے خیالات پر سنسر لگانے کا حامی نہیں ہوں۔ گو میں ان کے خیالات سے متفق نہیں ہوں، لیکن انھیں شائع نہ کرنا دیانت داری کے خلاف سمجھتا ہوں۔

مولانا سندھی کو وطنیت کے تصور پر علامہ اقبال مرحوم کے ساتھ بھی اختلاف تھا، جس کا ذکر انھوں نے اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ مولانا سندھی چوبیس سال تک افغانستان، روس، ترکی، اور حجاز مقدس میں رہے تھے۔ اس لیے ان کے سیاسی خیالات اور وطنیت کے تصور میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی تھی اور ان کی غیر حاضری میں برعظیم میں جو تغیر و تبدل ہوا تھا، موصوف اس سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے۔ اس لیے ان اختلافات کو اسی رنگ میں دیکھنا

چاہیے۔

مکتوب الیہ

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے مخاطب ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی ۱۸۸۸ء میں سیالکوٹ کے ایک نواحی گاؤں "پورہ ہیراں" میں پیدا ہوئے (۱۶)۔ ان کے والد بزرگوار چوہدری غلام علی بھٹہ (م ۱۹۲۷ء) اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں انگریزی اور سائنس کے استاد تھے اور انھیں علامہ محمد اقبال کے استاد مولوی میر حسن (م ۱۹۲۹ء) سے تلمذ تھا۔

شیدائی صاحب کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی اور انھوں نے ۱۹۱۴ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں انھوں نے سیاست میں دل چسپی لینا شروع کردی اور اسی زمانے میں ان کا تعارف مولانا شوکت علی (م ۱۹۳۸ء) اور سر محمد شفیع (م ۱۹۳۲ء) سے ہوا۔ مولانا شوکت علی کی تحریک و ترغیب پر انھوں نے "انجمن خدام کعبہ" کی رکنیت قبول کی اور کعبۃ اللّٰہ کے شیدائی ہونے کی وجہ سے انھیں "شیدائی" کا لقب ملا۔

۱۹۱۷ء میں شیدائی صاحب نے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ اس زمانے میں برعظیم کی سیاست زوروں پر تھی۔ ہر مسلمان نوجوان ترکی جاکر انگریزوں کے خلاف لڑنے کا خواہشمند تھا۔ جنگ عظیم کے دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور سے کئی طلبہ ترکی جانے کی خواہش میں کابل پہنچ گئے۔ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی بھی شیخ الہند" مولانا محمود حسن دیوبندی" کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے غرض سے کابل پہنچ گئے۔

شیدائی صاحب نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا لیکن ہری پور ہزارہ کے ایک خان نے انھیں آگے جانے سے روک دیا۔ دوسری بار جب وہ کابل جانے کے لیے گھر سے نکلے تب بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور موصوف کو کچھ دیر کے لیے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ جب مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء) نے ہجرت کا فتوی صادر کیا تو ہزاروں مسلمان اپنی جائدادیں ہندوؤں کے ہاتھوں اونے پونے داموں فروخت کرکے افغانستان کی طرف چل دیے۔ انھی مہاجرین کے ساتھ شیدائی صاحب بھی کابل پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے قبل ہی راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا سندھی مرحوم "حکومت موقتہ ہند" تشکیل کرچکے تھے اور تمام اہم عہدوں پر مختلف اصحاب کا تقرر ہوچکا تھا اس لیے شیدائی صاحب کو محکمہ جات مواصلات

وجنگ کا نائب وزیر مقرر کیا گیا(۱۷)۔

کابل میں قیام کے دوران میں شیدائی صاحب ایک خاص مشن پر تاشقند بھیجے گئے۔ واپسی پر وہ تاشقند میں مقیم ہندوستانی طلبہ کو سمجھا بجھا کر کابل لے آئے۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں جب مولانا سندھی ماسکو روانہ ہوئے تو شیدائی صاحب بھی ان کے ہم رکاب تھے (۱۸)۔ ماسکو پہنچتے ہی انھیں ترکی سفارت خانہ سے پاسپورٹ مل گیا اور موصوف ۱۶ر مارچ ۱۹۲۳ء کو انقرہ پہنچ گئے۔

اس وقت تک ترکی میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ کمال اتاترک خلیفة المسلمین کے اختیارات سلب کر چکا تھا اور اب وہ خلافت ہی کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ شیدائی صاحب جیسے اسلامی اقدار کے علمبردار اور خلافت کے حامیوں کے لیے ترکی میں رہنا مشکل تھا۔ انھیں ترک حکام نے یہ بھی بتادیا کہ اتاترک ان جیسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا(۱۹)۔ چند روز بعد انھیں ترکی سے، جس کی حمایت میں انھوں نے اپنا گھربار اور عزیز واقارب چھوڑے تھے، اخراج کا حکم ملا۔ شیدائی صاحب ترکی سے فرانس چلے گئے اور وہاں سے ۱۰ر جون ۱۹۲۳ء کو روم پہنچ گئے۔

مولانا عبید اللہ سندھی اور مولوی برکت اللہ بھوپالی جیسے احباب کے مشورہ پر شیدائی صاحب نے تجارت شروع کی اور وہ عرب ملکوں کے ساتھ کاروبار کرنے لگے۔ تجارت میں مشغولی کے باوجود وہ اپنے اصل مقصد سے لحہ بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔ دنیائے عرب اور ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے اور ان میں سے جو بھی یورپ کی سیر کو جاتا تو شیدائی صاحب کو شرف میزبانی بخشتا۔

۱۹۳۶ء میں شیدائی صاحب نے شارلوت نامی ایک فرانسیسی خاتون سے شادی کرلی اور اس کا اسلامی نام بلقیس رکھا۔ ۱۹۳۸ء میں ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام شیریں تجویز ہوا۔ اس بچی نے ڈینٹل سرجری کی تعلیم پائی اور ان دنوں وہ جنوبی فرانس میں مقیم ہے (۲۰)۔

دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے قبل ہی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر شیدائی صاحب کو فرانس سے اخراج کا حکم ملا۔ موصوف فرانس سے سوئٹزرلینڈ چلے گئے لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں سے بھی نکالے گئے۔ جنگ کا زمانہ انھوں نے اٹلی میں گزارا، جہاں وہ انگریزوں کے خلاف ریڈیو سے پروگرام نشر کیا کرتے تھے۔ حکومت اٹلی نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انھیں

ایک بڑے سول اعزاز سے نوازا(۲۱)۔

جنگ کے خاتمہ پر جب پنڈت جواہر لال نہرو کی قیادت میں ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو شیدائی صاحب نے وطن واپس آنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے پنڈت جی سے اس موضوع پر بات چیت کی تو پنڈت جی کی سفارش پر برطانوی حکومت نے پاسپورٹ جاری کردیا(۲۲)۔

قیام پاکستان کے بعد شیدائی صاحب اکتوبر ۱۹۴۷ء کراچی پہنچے اور وہاں مختصر سے قیام کے بعد اپنے وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں عوام نے اس انقلابی مجاہد کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔

پاکستان میں قیام کے دوران میں انھوں نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ایک بار انھوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمایندگی بھی کی۔ جس زمانے میں اسکندر مرزا، سیکریٹری وزارت دفاع کے عہدہ پر فائز تھا اس نے اسلحہ کی خریداری میں دھاندلی کا ارتکاب کیا۔ شیدائی صاحب نے اس کے اطلاع وزیراعظم کو دی۔ اسکندر مرزا اسی دن سے ان کا مخالف ہوگیا اور جب اس نے گورنر جنرل کی حیثیت سے عنان اقتدار سنبھالی تو اس نے شیدائی صاحب کی گرفتاری کے احکام جاری کردیے۔ ایک دوست کی عنایت سے انھیں بر وقت اس کارروائی کی اطلاع مل گئی اور وہ چپکے سے اٹلی روانہ ہوگئے(۲۳)۔

اٹلی میں قیام کے دوران انھوں نے تیورن یونیورسٹی میں اردو پڑھانا شروع کی۔ اگست ۱۹۶۵ء میں موصوف پاکستان لوٹ آئے اور سیاست سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی کرلی۔

لاہور میں شیدائی صاحب کا قیام اقبال ٹاؤن میں اپنے بھانجے چوہدری عبدالرحمان بھٹہ کے ہاں تھا۔ راقم الحروف کے ہمسائے چوہدری اشتیاق احمد بھٹہ ڈاکٹر جمال بھٹہ کے سمدھی ہونے کے علاوہ ان کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ اس لیے شیدائی صاحب کی راقم الحروف کے ساتھ اکثر ملاقات رہتی تھی۔

آخری عمر میں انہیں دل کا عارضہ لاحق ہوا اور ۱۳؍ جنوری ۱۹۷۴ء کو موصوف اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ راقم الحروف کو ان کی نماز جنازہ میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔ ان کی لوح مزار پر نظیری نیشاپوری کا یہ شعر کندہ ہے، جو ان کی پوری زندگی کا آئینہ دار ہے:

نیست در خشک تر بیشہ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

(پروفیسر) محمد اسلم

حواشی:

۱۔ مولانا سندھی کے ابتدائی حالات ان کی خود نوشت "سرگزشت کابل" سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ مولانا عبیداللہ سندھی، سرگزشت کابل مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۸۰ء ص ۹۰

۳۔ SubContinent کا صحیح ترجمہ برعظیم ہے، ناکہ برصغیر۔

۴۔ یہ بات خود مولانا عزیز گل نے راقم الحروف کو ایک انٹرویو میں بتائی تھی۔

۵۔ ظفر حسن ایبک "آپ بیتی" مطبوعہ منصور بک ہاؤس، لاہور، ج ۱، ص ۹۱

۶۔ ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، ج ۱، ص ۹۵

۷۔ حکومت موقتہ ہند کی تجویز راجہ مہندر پرتاب اور مولانا برکت اللہ بھوپالی تھی۔ انھوں نے مولانا سندھی کو اس میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی اور وہ ملت اسلامیہ ہند کے مفاد کے پیش نظر اس میں شریک ہوگئے تھے۔ خود مولانا سندھی نے حضرت شیخ الہند کو جو بات لکھی تھی، وہ یہی تھی۔ مراسلہ بہ عنوان "احوال انجمن دیگر بنام حکومت موقتہ ہند" میں لکھتے ہیں:

"(مہندر پرتاب اور مولوی برکت اللہ بھوپالی) دونوں نے ایک انجمن کی بنام مذکورہ بالا (حکومت موقتہ ہند) بنیاد ڈالی۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے معاملات مستقبل میں دول عظمیٰ سے معاہدات کرے۔

ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ کہ انھوں نے مجھ سے اس انجمن میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ میں نے اسلامی مفادات کی حفاظت کی نظر سے قبول کی۔"

اس سے تو یہ معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ اس سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مولانا سندھی کو مجبوراً یا مصلحتاً ایک ہندو کو حکومت کا سربراہ بنانا پڑا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ مولانا سندھی کابینہ میں شامل ہونے کے بعد سب سے فعال رکن ثابت ہونے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کابینہ تمام فیصلوں پر چھا گئے تھے (ا۔ س۔ ش)۔

۸۔ مولانا عزیز گل نے ایک ملاقات میں راقم الحروف کو بتایا کہ مولانا سندھی میں ایک بڑا نقص، یہ تھا کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنا رازدار بنا لیتے تھے۔

۹۔ رب نواز خان کو اس خدمت کے عوض بارہ مربعہ اراضی ملی۔ (سرگزشت کابل، ص ۱۱۶)

۹۔ رب نواز خان کو اس خدمت کے عوض بارہ مربعہ اراضی ملی۔ (سرگزشت کابل، ص ۱۱۶)

۱۰۔ مولانا عبیداللہ سندھی، سرگزشت کابل، مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۸۰ء ص ۱۷۶

۱۱۔ محمد علی کینٹب، مشاہدات کابل دیا غستان، مطبوعہ کراچی، ص ۳۵،

۱۲۔ ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، ج ۱، ص ۹۹

۱۳۔ ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، ج ۲، ص ۱۰۱۔ ۱۰۲

۱۴۔ ۲۔ ۷ ۱۹۴۷ء میں برعظیم کی تقسیم اسی انداز سے ہوئی

۱۱۵۔ اس پروگرام کی تفصیلات "آپ بیتی" میں موجود ہیں۔ مولانا کے خیالات کو سمجھنے اور ان کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے کے لیے ان کے اس پروگرام کو جاننا ضروری ہے۔

۱۶۔ ا۔ اب یہ گاؤں سیالکوٹ کی میونسپل حدود میں شامل ہو چکا ہے۔

۱۷۔ اقبال شیدائی، روزنامہ مروز لاہور، بابت ۸ مئی ۱۹۶۹ء۔

۱۸۔ ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ج ۱، ص ۲۵۵۔

۱۹۔ اقبال شیدائی، روزنامہ امروز لاہور، بابت ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء

۲۰۔ گلزار احمد اعوان، ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی کے احوال و آثار، تحقیقی مقالہ مخزونہ لائبریری شعبہ، تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، ص ۲۷۔

۲۱۔ ایوارڈ مملوکہ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ، ملتان۔

۲۲۔ محمد اسلم، مولانا ابوالکلام آزاد کے دو نادر خط، مطبوعہ ماہنامہ برہان دہلی، نومبر ۱۹۸۰ء ص ۳۰۱
۔

۲۳۔ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ، ڈاکٹر اقبال شیدائی، غیر مطبوعہ۔

مکاتیب

(۱)

برادر گرامی قدر سلمہ

سلام مسنون۔ آپ کا خط باطوم سے خیریت کا ملا۔ میں ابھی چند روز اور یہیں مقیم ہوں۔ انشاء اللہ عید الفطر تک آپ سے آملوں گا۔

زاہداری کا مسئلہ اب تک زیر بحث رہا۔ مگر اب فیصلہ ہو چکا ہے۔ میری صحت وہی ہے جس حالت میں آپ چھوڑ گئے۔ مگر امید ہے کہ بہار کی وجہ سے شاید اچھی ہو جائے۔

شاید اس عرصہ میں ایک دفعہ پیٹروگریڈ ہو آؤں (۱)۔ اخبار ۵ جنوری کے بعد کوئی نہیں ملا۔ امید ہے کہ آپ اچھی طرح ہوں گے۔ کپڑوں کا ٹرنک مجھ سے پہلے آپ کو نہ پہنچ سکا۔ تو ساتھ لے آؤں گا۔ عزیز القدر مسعود کا سلام۔ میرا خیال ہے کہ مجھے بھول نہیں جاؤ گے۔

والسلام

یوم یکشنبہ ۱۰ر مارچ ۱۹۲۳ء

عبید اللہ

لکس۔(۲) ماسکو

سب احباب کو سلام پہنچادیں۔ ڈاکٹر احمد حسن، ظفر حسن، عزیز احمد، بیٖغیرہ۔ عبد العزیز سلام کہتے ہیں (۳)

حواشی:

(۱) وہاں روس کی ممتاز عالم دین مولانا موسیٰ جار اللہ مقیم تھے۔ مولانا سندھی ان سے ملنا چاہتے تھے۔ ظفر حسن "آپ بیتی" میں لکھتے ہیں کہ حضرت سندھی نے رمضان ان کے ساتھ گزارا تھا۔ (آپ بیتی جلد دوم، ص ۱۴۱)۔

(۲) لکس ہوٹل میں مولانا سندھی مقیم تھے۔ اس کا ذکر بار بار آپ بیتی میں آتا ہے۔

(۳) یہ سب حضرت مولانا سندھی کے ساتھ کابل سے ماسکو پہنچے تھے۔

(۲)

عزیز القدر عالی جاہ محمد اقبال شیدائی سلمہ!

سلام مسنون۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ میرے خط کا آپ جواب لکھیں گے۔ مسعود آیا اور آپ کا خط مجھے دیا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔

آپ نے تمام سرگزشت پر ریویو کیا ہے۔ ماسکو پہنچنے تک کے حالات پر دوبارہ نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کابل میں میں اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا۔ اگر اس کے متعلق ایک دو لفظ لکھ دوں تو کوئی حرج نہیں۔

احمد حسن (۱) کابل میں کام کرنے والا تھا اور میں اس کا ایک معین۔ وہ ایک حد تک دل سے میری عزت کرتا تھا اور ایک حد تک سیاسی ضرورت کے لیے اور اس کے ساتھ ہی ایک حد تک وہ مجھے بیوقوف بھی مانتا تھا۔

آپ کابل میں دوسرے کام کرنے والے تھے۔ اصولاً میں آپ کی حیثیت کابل میں اپنے برابر مانتا تھا۔ مگر جس زمانہ میں میں آیا اور جس زمانہ میں آپ آئے، اس میں بہت فرق تھا۔ اس لیے آپ میری طرح کابل میں کام نہ کرسکے۔ احمد حسن اور اقبال ایک دوسرے کے دوست تھے ایک حد تک اور پھر اس کے بعد ایک حد تک سیاسی دوست بھی تھے۔ یہاں تک میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس کے بعد دونوں میرے ساتھ بھی تھے۔

ہندوستانی کام مثلاً" عبدالرشید (۲) کو بھیجنا، احمد حسن اور اقبال نے میری اطلاع کے بغیر شروع کردیا اور ایک عرصہ کے بعد مجھے اطلاع دی۔ میں نے اس کی بہت تحسین کی اور مجھ سے یہ کہا گیا کہ تمہاری نسبت جو بدگمانی پھیل رہی ہے، ہم اس کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ اس کو میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ بدگمانی کیوں پھیلی اور کس طرح اصلاح ہوگی مگر میں نے تسلیم کرلیا کہ آپ لوگ میرے لیے کام کررہے ہیں۔ مگر میں اس قدر بیوقوف نہیں ہوں جس قدر سمجھا جاسکتا ہوں۔

اب آپ کے اور احمد حسن کے معاملات میں میں اسی وقت دخل دیتا ہوں جب آپ دونوں میں سے کوئی مجھے کہے اور میرے دخل دینے سے اصلاح کی امید ہو۔ فقط۔ کسی طرح کی ذمہ داری آپ لوگوں کے معاملات میں قبول نہیں کرسکتا۔

آپ کا میرے ساتھ ذاتی معاملہ ہمیشہ قابل تعریف رہا اور ڈاکٹر عبدالغنی مرحوم کے

متعلقین نے جو حملے مجھ پر کیے' اس کی مدافعت آپ نے کی اور بہت اعلیٰ درجہ پر کی۔ اس احسان کو' اگر اسے احسان کہوں' تو کبھی نہیں بھول سکتا۔

نواب اور آپ کا جھگڑا ہوا اور میں نے صدق دل سے آخر تک آپ کا ساتھ دیا۔ اس میں مجھے مسرت ہوئی۔

کابل سے روانگی کے وقت میں نے آپ کو ماسکو چلنے کی دعوت دی۔ اس میں دو فائدے ملحوظ تھے۔ ایک تو ہندوستان میں معلوم ہو کہ ہم سب لوگ ایک ہیں۔ دوسرا کابل میں نواب اینڈ کو کو محسوس ہو کہ میں ایک چھوٹے سے معاملے میں ہندوستانیوں کا ساتھ دے رہا ہوں۔ الحمدللہ وہ فائدے حاصل ہو گئے۔ اس کے ساتھ اگر تھوڑی سی تکلیف بھی ہوئی تو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ان مختصر جملوں کی تشریح مسعود کو سمجھادی ہے۔ اب ماسکو کے متعلق لکھتا ہوں۔

جب تک آپ ماسکو میں تھے' میں نے کوئی کام نہیں کیا سوائے اس کے کہ احمد حسن اگر میرے کام کو آیندہ توڑنے کی بنیاد ڈالے تو اسے رد کردوں۔ آپ کے جانے کے بعد احمد حسن کی موجودگی میں مجھے موقعہ ملا۔ مگر احمد حسن نے اسے پسند نہیں کیا اور ڈاکٹر کو ناراض بھی کردیا۔ میں نے پروا نہیں کی۔ ظفر حسن نے میرا ساتھ دیا۔ چند روز بعد احمد حسن چلا گیا تو ڈاکٹر بھی صاف ہوگیا اور تین چار مہینے اپنی سمجھ کے مطابق بحمدہ تعالیٰ نہایت کامیابی سے کام کرتا رہا۔ راجہ مہندر پرتاب آئے۔ انھیں سارے کام کا خلاصہ سنایا۔ انھوں نے نہایت درجہ کی تحسین پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کابل سے خط و کتابت کی۔ اب میں عزت سے کابل جا سکتا ہوں۔ مگر میرا شوق تھا کہ انقرہ دیکھوں۔ اس لیے چند روز کے لیے یہاں آگیا ہوں۔ اس وقت یہاں کا نہ کوئی کام سامنے تھا اور نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ ہوٹل میں رہتا ہوں۔ ایک عرصہ بعد فیصلہ کرلوں گا کہ یا تو کابل چلا جاؤں اور کام کروں اور یا بالکل کام چھوڑ کر کے گانو کی مسجد میں بیٹھ رہوں۔

میں نے جس قدر کام کیا یا آیندہ اگر خدا کو منظور ہے تو کروں گا۔ اس کا روپیہ پیسہ سے سیدھا کوئی تعلق نہیں۔ آج کل بھی میرے پاس کوئی روپیہ نہیں۔ برلین سے ڈاکٹر (۳) نے اگر کچھ بھیج دیا تو فبہا' الا روسی سفیر یہ کہتا ہے کہ آپ کے سفر کا انتظام میں کردوں گا۔

الحمدللہ کہ آجکل تمام جھگڑوں سے طبیعت فارغ ہے۔ کھانے کے لیے خدا دیتا رہے

گا۔ اس کی فکر کرنا میرے لیے ایک کمزوری کی دلیل ہے۔ مسعود سے باتیں ہوئیں۔ اگر ہندوستان سے کوئی بزرگ ہلال احمر کو لکھ دیں کہ مسعود کو وظیفہ دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ والا میری را ہے کہ وہ ہندوستان چلا جائے۔ وہاں اس کا انتظام ہر طرح سے قابل اطمینان کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ مگر وہ برلین جاکر پڑھنے کو پسند کرتا ہے۔ اس کے متعلق بھی پوری کوشش کروں گا کہ اسے وہاں تکلیف نہ ہو۔ چٹوپادھیا' دتا' رائے' ڈاکٹر کو خطوط لکھ دوں گا۔ مگر میری طبیعت میں اس پہ اطمینان نہیں ہوتا کہ واقعی یہ آرام سے وہاں پڑھ سکے گا۔

آپ کے کام کے متعلق لکھنے کا آج وقت نہیں سمجھتا۔ مگر انقرہ چھوڑنے سے پہلے مفصل لکھوں گا۔

ہاں ایک بات بھول گیا۔ انقرہ پہنچ کر میں نے بہت سی باتیں آپ کے متعلق سنیں۔ میرے دل پر ان کا کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ میں ان مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں' جس میں آپ پھنسے تھے۔

نور چشم! اگر ہم ملے تو آپ پہلے سے زیادہ خوش رہیں گے۔ کانگرس کمیٹی کی ممبری کی سند اس وقت میں نہیں دے سکتا تھا اور آج ایک فارم بھیجتا ہوں جس پر اردو میں لکھ دیتا ہوں۔ انگریزی لکھنے والا یا دوسرا دستخط کرنے والا کوئی ساتھ نہیں ہے۔

۲۲ر ستمبر ۱۹۲۳ء عبیداللہ

انقرہ' حریت ہوٹل

روپیہ پیسہ کے متعلق میرا مسلک آپ جانتے ہیں۔ اگر اس میں کوئی فروگذاشت آپ کو پریشان کر رہی ہے' تو اس کی معافی مانگنے سے کوئی عذر نہیں۔ والسلام

اس خط کو کسی نے نہیں پڑھا اور صدیقی صاحب کے الفاظ میں بھیج (رہا ہوں)

حواشی:

(۱) خوشی محمد' مرزا محمد علی اور احمد حسن ایک ہی شخص کے مختلف نام ہیں۔ وہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر کابل چلا گیا تھا۔ روس کے سفر میں بھی وہ مولانا سندھی کے ساتھ تھا۔ آخر میں وہ کمیونسٹ ہوگیا تھا۔ ایک اطلاع کے مطابق اسے اسٹالن نے ۱۹۳۸ء میں مروا دیا تھا۔

(۱) عبدالرشید گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے کا طالب علم تھا۔ وہ اپنی تعلیم نامکمل چھوڑ کر کابل چلا گیا تھا۔ سفر ماسکو میں وہ مولانا سندھی کے ہم رکاب تھا۔

(۳) ڈاکٹر نور محمد حیدر آباد (سندھ) کے نو مسلم تھے۔ انھوں نے بمبئی یونیورسٹی سے ایم ایس سی اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ سندھ کانگرس کمیٹی کے صدر اور حیدر آباد میونسپلٹی کے صدر رہے تھے۔ آخر میں وہ ہجرت کر کے کابل چلے گئے۔ سفر ماسکو میں وہ مولانا سندھی کے ہم رکاب رہے۔ آخر کار وہ پیرس ہوتے ہوئے ہندوستان آگئے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ کابل چلے گئے اور نادر شاہ نے انھیں کابل کے ہسپتال میں ملازم رکھ لیا۔

(۳)

عزیزم سلمہ!

سلام مسنون۔ آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ مجھے اسی طرح کی توقع تھی۔ سندھی صاحب سے اسی دن نے پیشین گوئی اسی قسم کی دی تھی۔ شام کو آپ کا خط انھیں دکھایا۔ نہایت پر لطف وقت گزرا۔

میں اس خط سے پہلے ایک خط لکھ چکا تھا۔ سندھی صاحب کے لفافہ میں بھیج دیا تھا۔ اس کے آپ کا ایک خط ملا۔

میں تخلیہ استانبول (۱) کے بعد استانبول جاؤں گا اور وہاں ایک دو مہینہ رہنے کی کوشش کروں گا۔ اگر آپ لوگوں سے ملنے کا موقعہ میسر ہوا تو مل لوں گا۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس روپیہ نہیں۔ سیاسی مجبوری سے ہوٹل کا کرایہ تو دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے سوا کھانے پینے کا کوئی باقاعدہ نظام رکھنا ضروری نہیں جانتا۔ جیسا میسر آیا، وقت بسر کر لیا۔

جس خاکے پر ایشیاٹک فیڈریشن (۲) پر ماسکو میں آپ سے ذکر ہو چکا ہے اسی خیال میں ترقی کرنا چاہتا ہوں، مگر مشکلات ہر طرف سے محیط ہیں اور خالص ہندوستانی روپیہ میسر آنے سے پہلے کام کا نام بھی نہیں لیتا۔

آپ اگر کوئی اسکیم قابل اجرا سامنے رکھتے ہیں تو مجھے اپنے ساتھ سمجھیں۔ میں جب تک بیکار ہوں، آپ لوگوں کے فیصلہ سے کام کر سکتا ہوں۔ اگر میری طبیعت اور خواہش کا کوئی کام میرے سامنے آیا تو آپ صاحبوں کو مطمئن کر کے اور پھر اجازت لے کر اس میں مصروف ہو جاؤں گا۔

مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ مولانا ابوالکلام تشریف لا رہے ہیں۔ نہ اس لیے کہ

میں ان سے مل کر خوش ہوں گا' نہ اس لیے کہ وہ اپنے خیال کے موافق یہاں سے کامیاب جائیں گے۔ محض اس لیے خوش ہوں کہ ان کو اپنے خیالات کی تصحیح کا پورا موقعہ ملے گا۔

آپ مولانا برکت اللہ اور سید عبدالوحید کی خدمت میں میرا سلام پہنچادیں۔ یورپین قوموں سے جس قدر فائدہ اٹھانا ممکن ہو' میں اس کے خلاف نہیں ہوں' مگر میں بشرح صدر فقط اس کام کو اپنا کام سمجھوں گا جس کا اساس ہندوستان میں ہو اور جس کا پہلا حلقہ ایشیا ہو۔

آج سندھی صاحب بخیریت سوار ہوگئے اور مسعود میرے پاس ہے۔ اس کو اپنے خیالات پڑھادوں گا۔ جب آپ سے ملا' مفصل کہہ دے گا۔

مجھے بڑی مسرت ہوئی جب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر (۳) اور احمد حسن اور آپ آپس میں خط وکتابت کرتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام اگر تشریف لائے تو میرا خیال ہے استانبول نہیں آنا چاہتے۔ اگر اس زمانے میں میں ترکیا میں رہا تو کوشش کروں گا کہ ان سے ملوں۔

ہماری خط وکتابت تو جاری رہے گی' اس لیے مفصل باتیں کر سکیں گے۔ سندھی صاحب سے آپ میرے متعلق سرسری باتیں پوچھ لیں۔ زیادہ تحقیق وتدقیق کی کوشش نہ کریں۔ میں جب ملوں گا بالتفصیل کہوں گا۔ عزیز(۴) و مسعود سلام عرض کرتے ہیں۔ والسلام

۲۵۔ ستمبر ۱۹۲۳ء

عبیداللہ

حریت ہوٹل' انقرہ

حواشی:

(۱) اس وقت تک استانبول میں آخر عثمانی خلیفہ عبدالمجید ثانی (۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۴ء) موجود تھا اور اس کی حفاظت کے لیے انگریزی فوج بھی موجود تھی۔ مولانا سندھی استانبول سے اس کے انخلا کے منتظر تھے۔

(۲) یہ خاکہ ظفر حسن ایبک کی "آپ بیتی" جلد ۲' ص ۱۰۱ تا ۱۱۰ میں موجود ہے۔

(۳) ڈاکٹر نور محمد۔ (۴) عزیز احمد مولانا سندھی کے بھتیجے

(۴)

عزیز القدر جناب شیدائی سلمہ

سلام مسنون! آپ کا خط پہنچا۔ مسرت ہوئی۔ مسعود کے لیے ہندوستان جانے کا ایک خاص طریقہ سے انتظام کر سکتا تھا' جس میں مجھے روپیہ ادا نہ کرنا پڑتا۔ بلکہ وہ ہندوستان میں ادا

کیا جاتا اور اس کی تعلیم کے اخراجات بھی وہاں وہ لوگ برداشت کرتے مگر مسعود انکار پر اصرار کرتا ہے اور شاید دو تین دن بعد یہ موقع بھی جاتا رہے گا۔

میرے پاس کیا ہے اور میں کس طرح وقت بسر کر رہا ہوں۔ مسعود کو بتلا دیا اور دیکھ بھی رہا ہے۔

الحمد للہ میری توقع کے خلاف اب مجھے ایسے آدمی بھی ملنے لگے ہیں جو میری بات سنتے ہیں اور اسے جیسا ماننا چاہیے 'مانتے ہیں۔ اب تک جو تکلیف میرے لیے سوہان روح رہی' وہ یہی تھی کہ پیغامبر رقیب بن جاتے تھے۔

اپنی سوانح عمری کے نوٹ لکھ رہا ہوں۔ ابتدائی ۲۵ سال کے واقعات ضبط کر لیے ہیں ۔ خاکہ تمام کتاب کا تجویز کر لیا ہے۔ دو جلدوں میں کتاب لکھی جا سکتی ہے(۱)۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ' مولانا ابوالکلام آزاد ہندو مسلم نزاع سے تنگ آ کر ہندوستانیت اور کانگرس کی دعوت دیتے ہیں۔ اب کام یکجہتی سے ہونے لگے گا اور روز نئی نئی اسکیمیں بنانے سے نجات ہو گئی۔ کنارہ دور اور سفر بہت مشکل ہے مگر اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

احمد حسن اور ڈاکٹر کے خطوط آئے۔ خیریت سے ہیں اور امید ہے کہ آپ ان سے شکوہ وشکایت ختم کر دیں گے۔

ماسکو تک اگرچہ آپ لوگ آپس میں علاحدہ تعلق رکھتے تھے' مگر پھر بھی میں ساتھ تھا ۔ آپ جیسے دو آدمیوں کو جو ملا کر کام کرے گا' اسے میری مشکلات کا اندزہ ہو گا۔ میرے ساتھ خدا کے فضل سے چار تھے اور چاروں کا منہ چار طرف تھا(۲) اس لیے میرے لیے بڑی خوشی کا باعث ہو گا کہ آپ ان جھگڑوں کو ختم کر دیں۔ اگر ہر ایک آدمی اپنا خود جج بنے گا تو کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ شکایتیں ہر ایک کو ہیں اور میں بجائے انصاف سے کام لینے کے لڑائی کو روکتا تھا۔

اپنے تجربہ کی بنا پر پیشین گوئی کرتا ہوں کہ باہر جو کام اب تک شروع کیے گئے ہیں' ان کا جاری رکھنا ہی آسان نہیں۔ نئی اسکیم سے روپیہ مل سکے' فقط خیال ہی خیال ہے۔ میرا روئے سخن ماسکو کی طرف ہے۔ اس لیے جو کام لوگ کر رہے ہیں' ان کے لیے مشکلات پیدا نہ کرنا بڑا کام ہے۔

جناب مولانا برکت اللہ اور سید عبدالوحید صاحب کے خدمت میں سلام مسنون قبول

ہو۔ عزیز، مسعود سلام کہتے ہیں۔ عبید اللہ

۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

حریت ہوٹل، انقرہ

حواشی:

(۱) مولانا سندھی نے "کابل میں سات سال" اور "سرگزشت کابل" کے عنوانات سے دو تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ یہاں سوانح عمری کے نوٹ لکھنے سے یہی دو کتابیں مراد ہیں۔

(۲) کابل سے ماسکو روانہ ہوتے وقت مولانا سندھی کے ساتھ ڈاکٹر نور محمد، عبد العزیز، عمر ظفر مسعود، عبد الرشید، ظفر حسن، عزیز احمد، اقبال شیدائی، خوشی محمد اور بسناتھ بینرجی تھے۔ ان میں چار کے خیالات مولانا سندھی سے نہیں ملتے تھے۔ یہاں انھوں نے انھی چاروں ساتھیوں کا ذکر کیا ہے۔

(۵)

عزیز القدر سلمہ!

سلام مسنون۔ عرصہ سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ کوئی خط نہیں ملا۔ شیخ عبد العزیز سے مل لیا۔ اگر ہندوستان سے روپیہ آسکتا ہے تو بجائے روما کے استانبول سے اخبار نکالیے اور اردو اخبارات کا لہجہ بدل دیجیے۔

میں نومبر کے شروع میں استانبول جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مسعود ہندوستان تو قطعی طور پر نہیں جاتا۔ اس پر اسے نرم و گرم باتیں کہتا رہا ہوں، مگر اس کے کسی ارادے کا پتہ نہیں لگ سکا۔

امید ہے کہ سوانح ایک مہینہ تک مکمل کر لوں گا۔ مولانا ابوالکلام کی تشریف آوری کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوا۔ آتے ہیں اور کب آتے ہیں!

میں خیریت میں ہوں۔ کابل واپس جانے کا ارادہ کروں یا ترکیا میں ایک عرصہ تک رہوں۔ کام اور قیام دونوں سمجھ میں نہیں آتے۔ آپ اگر اپنا مشورہ لکھیں تو شاید اس سے استفادہ کر سکوں۔ صدیقی (۱) تو استانبول رہنے کا مشورہ دے گئے۔

اگر کابل جاؤں تو ماسکو سے امداد لے سکتا ہوں ورنہ نہیں۔ آپ تمام پہلو سوچ کر کچھ لکھیں۔

حضرات مولانا برکت اللہ اور سید عبد الوحید سلام مسنون قبول فرماویں۔ عزیز (اور)

مسعود بھی سلام کہتے ہیں۔ والسلام

عبید اللہ

۲۱۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء

حریت ہوٹل، انقرہ

حواشی:

(۱) عبد الرحمان صدیقی، سابق گورنر مشرق پاکستان۔

(۲) مولوی محمد برکت اللہ بھوپالی (م ۱۹۲۷ء) بھوپال کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں موصوف انگلستان چلے گئے اور وہاں مختلف علمی رسائل کے لیے مضامین لکھتے رہے۔ انھوں نے کچھ وقت امریکہ اور جاپان میں بھی گزارا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران میں موصوف برلن میں تھے اور وہاں سے ہندوستانی، جرمن، ترک، وفد کے ساتھ کابل گئے اور "حکومت موقتہ ہند" میں وزیر اعظم بنائے گئے۔ جنگ کے بعد وہ کچھ عرصہ تک سوئٹزرلینڈ میں رہے اور پھر امریکہ چلے گئے۔ انھوں نے خلافت کے مسئلہ پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔

(۶)

عزیز گرامی قدر جناب شیدائی صاحب!

سلام مسنون۔ آپ تو خفا ہو گئے معلوم ہوتے ہیں۔ میرے سوالات کا جواب احمد حسن کے خطوط سے ملا۔ اس پریشانی کے زمانے میں اگر کوئی بات ایسی معلوم ہو جس سے طبیعت مکدر ہو جائے، تو معاف کر دینا چاہیے۔

ہندوستانی کام کے لیے کابل جانا از حد ضروری ہے، مگر اس سفر میں عجیب انکشافات ہو رہے ہیں، جس سے طبیعت وہاں کام کرنے سے گھبراتی ہے۔ دربار کابل سے تعلق رکھنے والے عموماً سرد مہری سے پیش آتے ہیں۔ مخالفت کرنے کی لمبی لمبی اسکیمیں بنائی ہوئی ہیں۔ سرحدیوں کو ہندوستانی بنا کر ہندوستانی کے نام سے جس قدر استفادہ ممکن ہے، دریغ نہیں کرتے۔ مگر کسی ٹھیک ہندوستانی کو ایک لمحہ کے لیے بھی پسند نہیں کرتے۔

اب ضرورت ہے کہ ہندوستان میں مرکزی لوگ ایک فیصلہ کر دیں۔ ظاہراً وہ افغانستان سے قطع تعلق نہیں کریں گے، مگر انھیں کابل میں کام کرنے والوں کی اس صورت میں خاص امداد کی ضرورت ہو گی۔ دیکھیں وہ اس پر طیار ہوتے ہیں یا نہیں۔

میں ایک ہفتہ بعد کم و بیش استانبول سے جانے کا فیصلہ کر سکا تو اطلاع دوں گا۔

صیغہ راز:

کیا آپ صدیقی صاحب کو لکھ سکتے ہیں کہ انگلستان کے پتہ پر عزیز احمد نے انھیں لکھا ہے کہ ہماری طرف سے معاملہ صاف ہے اور ہم اپنا فرض یا قرض ادا کردیں گے۔ وہ اگر پسند کرتے ہیں یا ان کے لیے ممکن ہے، تو بہت جلد اطلاع دیں۔

آپ ڈاکٹر سے خط و کتابت کرتے رہیں۔ میں انھیں حالات لکھتا رہوں گا۔ رحمت علی (زکریا) ماسکو میں ہیں (ا)، ان کا خط بہت اچھا مجھے ملا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ رہ کر اگر ہم ایک دوسرے سے ناراض ہوں، مگر جدا ہونے پر نہیں بھول سکتے۔

عزیز احمد، مسعود کے سلام قبول ہوں۔

جناب مولانا برکت اللہ اور سید عبدالوحید صاحب بھی سلام قبول کریں۔

اشرف ادیب بک

مدیر مجلہ سبیل الرشاد، استانبول کی معرفت — عبیداللہ

۲۴۔ نومبر ۱۹۲۳ء

حاشیہ:

(ا) رحمت علی زکریا کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور کا طالب علم تھا۔ وہ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر کابل چلا گیا تھا۔ کابل سے وہ روس کی جانب بھاگ گیا اور وہاں سے پیرس پہنچ گیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ لاہور واپس آیا لیکن جلد ہی فرانس واپس چلا گیا۔

(۷)

برادر محترم!

سلام مسنون۔ مدت کے بعد آپ کا خط آیا۔ خوشی حاصل ہوئی۔ شاید ایک مہینہ اور میں بھی متردد رہوں گا۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کرسکوں۔

کابل اور ماسکو میں طبیعت جس طرح خراب رہی، انقرہ میں بھی اس کا بقیہ چلا آتا تھا۔ اب استانبول میں واقعی طبیعت درست ہو رہی ہے۔ آب و ہوا اچھی، انسانوں کا مجمع، قدرتی مناظر اور آزادی مل کر صحت درست کر رہے ہیں۔

تلخ و ترش کہنے کی عادت طبیعت کی خرابی کا نتیجہ تھا اب وہ بات بھی کم ہو رہی ہے۔ اب مسعود سے پوچھ لیجیے اسے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔

مسعود اب جوان ہے۔ اس سے اسی قسم کا سلوک کرنا چاہیے اور آپ اطمینان رکھیں کہ روم بھیجنے کا یہ مطلب نہیں تھا' بلکہ کام کے خیال سے کہا تھا۔ کام کا کوئی فیصلہ نہیں ۔اس لیے وہ بات بھی خود بخود رہ گئی۔

میں نے عبدالہادی خاں کو تین خط لکھے۔ انھوں نے آخر میں جواب دیا اور اچھا دیا۔

اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں اور اس میں چند سطریں خاص تھیں۔ اگر خط پہنچ جائے تو جواب جلدی دیجیے گا۔

عراق آزاد کرانے کی خوب کہی (۱) یہاں سے ایک وفد جانے کی طیاری ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ تمام خیالات میں تبدیلی آجائے گی۔

شاید کانگرس کے بعد مولانا ابوالکلام یا اور کوئی بزرگ ادھر آئیں' اور کوئی بات سمجھ جائیں۔ والسلام

عبیداللہ

۱۔ دسمبر ۱۹۲۳ء

استانبول

عزیز کا سلام قبول فرمادیں

حاشیہ:

(۱) ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو عراق اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے عراق میں برطانیہ کا اثر ورسوخ بڑھ گیا اور اسے بہت سی مراعات حاصل ہو گئیں۔ محب وطن عراقیوں نے اس معاہدہ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ عراقی چاہتے تھے کہ عراق غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو جائے۔ اس معاملے میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔

(۸)

برادر گرامی قدر سلمہ!

سلام مسنون۔ عرصہ گزرا آپ کی خیریت کا کوئی خط نہیں ملا۔ انتظار رہا۔ میرے آخری خط میں اگر کوئی کلمہ ناموافق طبع لکھا گیا تو معاف کردیجیے اور اپنی خیریت کے دو چار کلمے کبھی لکھ دیا کیجیے۔

مولانا برکت اللہ اور سید عبدالوحید کی خدمت میں میرا اسلام مسنون۔

مسعود غالباً" ہندوستان جانے کے لیے تیار ہو گیا ہے اور الحمد للہ ہمارا وقت اچھا گزر رہا

ہے۔

اخبارات میں کوکناڈا(۱) مجالس کی کارروائی پڑھ کر مایوسی نہیں ہوئی۔ واللہ الموفق۔

عبدالہادی خاں نے دوسرا خط بھی لکھا۔ وہ کانگریس کی کارروائی سے خوش نہیں ہوئے۔ مگر وہ لوگ مجبور ہیں کیا کریں!

۶۔ فروری ۱۹۲۴ء عبیداللہ

استانبول

حاشیہ:

(۱) کوکناڈا جنوبی ہند کا مشہور شہر ہے۔ اس زمانے میں غالباً" وہاں کانگرس کا اجلاس ہو رہا تھا۔

(۹)

برادر گرامی قدر!

سلام مسنون۔ عرصہ سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ میرا ارادہ تھا کہ استانبول جلدی چھوڑ دوں۔ مگر رمضان شروع ہو گیا ہے' اس لیے ایک مہینہ تو ضرور یہاں رہوں گا(۱) انشاء اللہ۔

پھر جس وقت جانے کا ارادہ کیا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ جب تک اطلاع نہ دوں تو استانبول ہی میں تصور کریں۔

آپ براہ مہربانی ڈاکٹر حفیظ صاحب (۲) کو اطلاع دے دیں گے کہ وہ اپنا پتہ مجھے لکھیں ۔ پھر اگر ضرورت ہوئی تو میں بھی انھیں لکھوں گا۔ والسلام

۷۔ اپریل ۱۹۲۴ء عبیداللہ

استانبول

حواشی:

(۱) لوگوں نے مولانا سندھی کے بارے میں یونہی مشہور کر دیا ہے کہ وہ نماز و روزے کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے۔ ظفر حسن ایبک نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ جب مولانا سندھی لینن گراڈ میں تھے تو رمضان شروع ہو گیا۔ وہاں ۲۱ گھنٹے کا روزہ ہوتا تھا۔ مولانا افطاری اور سحری کے درمیان تراویح بڑی باقاعدگی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ (آپ بیتی' ج ۲' ص ۴۲)

(۲) ڈاکٹر عبدالحفیظ میاں عبدالعزیز مالواڈہ کے رشتہ دار تھے۔ موصوف کافی عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی میں

ترکی زبان پڑھاتے رہے۔ ان کے داماد مرات خان (مراد خان) نے مینار پاکستان کا پلان تیار کیا تھا۔

(۱۰)

محترمی!

سلام مسنون۔ آپ کا خط عرصہ ہوا پہنچا۔ تجارتی معاملہ کی شکست قابل افسوس ہے، اگرچہ اس کے ساتھ سیاسی کام شروع کرنا باعث مسرت ہو سکتا ہے۔

میرا یہ رمضان الحمد للہ اچھی طرح گزرا۔ مجھے اس کی بہت خوشی ہے۔ عید مبارک ہو۔ مولانا برکت اللہ کی خدمت میں میری تبریک لکھ دیں۔

لیجیے میری تخمین غلط ہو گئی۔ مسعود ازمیر میں نوکر ہو گیا۔ اس کا خط تبریک عید کا موصول ہوا ہے

رحمت علی صاحب (۱) شاید استانبول آنا چاہتے ہیں۔ کتابیں اگر موصول ہو جائیں تو انھیں دی جائیں۔ میں نے انھیں بھی خط لکھ دیا ہے۔

قتل مرتد پر جو مناظرات ہو رہے ہیں، میں انھیں نفرت سے دیکھتا ہوں۔ یہ لوگ مشغلہ بیکاری کے طور پر مناظرہ بازی کرتے ہیں۔ جیسا آپ نے خواہش ظاہر کی، کبھی کبھی میرے دل میں بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ لکھ دوں۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ فریقین اپنی اپنی رائے پر اصرار کریں گے، لیکن کتابیں موجود نہ ہونے سے یہ خیال صورت پذیر نہیں ہوتا۔ ظفر علی نے ۱۷ نمبر لکھے ہیں (۲)۔ زمیندار ریاض لے گیا ہے، اس نے اگر واپس کر دیا تو بھیج دوں گا۔

ہندی تکیہ (۳) سے شیخ نکال دیا جائے گا۔ عبد الرحمان ریاض شیخ مقرر ہو گا (۴)۔ ابھی اس نے قبضہ نہیں کیا۔ اس کے بعد ہندوستانی اخبارات باقاعدہ مل سکیں گے۔ والسلام

عبید اللہ

۲۷۔ اپریل (۱۹۲۴ء)

حواشی:

(۱) رحمت علی زکریا

(۲) مولانا ظفر علی خاں، مدیر زمیندار، لاہور شاید کوئی مضمون لکھا ہو گا جو سترہ قسطوں میں ختم ہوا ہو گا

(۳) مولانا استنبول میں ہندوستانی خانقاہ میں رہتے تھے۔ اس کا متولی ایک افغان تھا۔ اسی خانقاہ میں سلطان ٹیپو

کا ایک سفیر محمد امام مدفون ہے۔

(۴) عبدالرحمان ریاض، بیت المقدس کی ہندوستانی خانقاہ کا متولی تھا۔ اس نے جامعہ ازہر میں تعلیم پائی تھی ۔ بیت المقدس پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد انگریزوں نے اسے قید میں ڈال دیا تھا۔ جب وہ قید سے رہا ہو کر استنبول آیا تو حکومت ترکی نے اس کی بڑی قدر کی۔ افغان متولی کے انخلا کے بعد موصوف ہندی تکیہ کا متولی مقرر ہوا۔ (آپ بیتی، ج ۲، ص ۸۵)

(۱۱)

مکرمی المحترم!

سلام مسنون۔ اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں پیام مشرق بھیجنے کا شکریہ اور ممنونیت اور خط نہ لکھنے کی معذرت پر اکتفا کیا تھا۔

سنتا ہوں کہ افغانی سیاسی حلقوں میں پروگرام کے مطابق ایک غلط فہمی پھیل رہی ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے افغانستان کو تقسیم کر دیا ہے۔ اس پر آج چند کلمات لکھتا ہوں۔ آپ ہمارے بزرگوں کو مطمئن کر سکیں گے۔

ص ۲۷: غلط فہمی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ ہم نے سرو راجیہ ہند کی تحدید (۱) میں شمالی حد ہمالیہ، قراقورم، ہندوکش مقرر کی ہے۔ ہندوکش چوں کہ افغانستان کا ایک مشہور پہاڑ ہے۔ فوراً خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ افغانستان کا کوئی حصہ ہم نے سرو راجیہ ہند میں لے لیا ہے۔

لیکن حقیقت میں ہندوکش صوبہ سرحدی کے شمال میں بھی آتا ہے اور چترال کے شمال مشرق میں کشمیر کی سرحد پر ہمالیہ قراقورم سے ملتا ہے۔ انڈین ایر بک (Year Book Indian) کی عبارتیں حاشیہ میں نقل کراتا ہوں (۲)۔

صوبہ سرحدی کے متعلق افغان ناراض ہو سکتے ہیں، مگر اس صوبہ کے متعلق جو مباحث آج کل ہندوستان کے سرکاری اور قومی حلقوں میں ہو رہے ہیں اس سے غالباً انھیں واقف ہونے کا موقع نہیں ملتا۔

صوبہ سرحدی کے متعلق اس حقیقت نفس الامری سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے ۔ اس کی اکثریت افغان آبادی ہے اور وہ پشتو بولتی ہے اور انگریزوں نے یہ صوبہ سکھوں کو شکست دے کر حاصل کیا ہے۔

پچھلے سالوں میں اسمبلی کا کمیشن اس پر غور کر چکا ہے کہ اسے پنجاب سے ملا دینا

چاہیے۔ گورنمنٹ کے ممبروں کی رائے اس کے خلاف تھی اور یہی فیصلہ قائم رہا مگر نیشنل ممبروں نے اس کے خلاف رپورٹ لکھی۔

کوکناڈا (۳) کانگریس میں ایک پشاوری ہندو لیڈر کی تجویز پر کانگریس نے اس کا الحاق پنجاب سے منظور کرلیا۔ اگرچہ پریذیڈنٹ کی خواہش تھی کہ اس مسئلہ پر بحث ملتوی کردی جائے۔

اس میں کانگریس کے لیے آسانی اس طرح پیدا ہوگئی کہ کانگریس نے پہلے تقسیم صوبجات میں اس صوبہ کی زبان مقرر نہیں کی تھی۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ سرحدی افغان پشتو پر کس قدر فدائیت ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس صوبہ کا نام اس کی زبان پر بدل دیا (۴) اور ہم کانگریس کے الحاق پنجاب کی پالیسی سے انکار کرتے ہیں۔

ہم نے صوبہ سرحدی کو ہندوستان کا جزو لاینفک نہیں بنایا کیوں کہ سرو راجیہ ہند کی تمام جمہوریتوں کو جس میں پشتانیہ بھی ایک ہے' سیاسی (و) تمدنی آزادی کا حق دیتے ہیں۔ ص ۴۶

اگر افغان اس لیے برا مناتے ہیں کہ ہم نے سرحد میں جمہوریت کا پروگرام کیوں پیش کیا' تو اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ موجودہ صورت میں سرحدی صوبہ ہندوستان کی آزادی میں رکاوٹ ہے اور ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اسے ہندوستان کے مسلم حصہ کے لیے مفید طور پر کام کرنے والا صوبہ بنادیں۔

جب تک افغانستان اس کی آزادی کے لیے سیدھی (۵) کوئی کوشش نہیں کرتا' اس وقت تک ہم خاموش نہیں رہنا چاہتے۔

ص ۲۷: موجودہ سلطنت افغانستان کو ہم نے سرو راجیہ ہند کے مغرب میں لکھا ہے اور اس کے مقبوضہ حصص کا احترام ملحوظ رکھتے رہے۔

ص ۱۵: تمہید میں جہاں ہمیں ہندوستان روس کا اتصال دکھلانا تھا اس میں بھی ہم نے قراقورم' ہمالیہ' ہندوکش کے مقام اتصال یعنی چترال اور کشمیر کی مشترک حدود سے چند قدم (ایک باریک خط افغانی جو پامیر اور چترال میں حائل ہے) آگے روس کا ذکر کیا ہے۔

ص ۴۷: لاہور میں جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں "اگر افغانستان منظور کرلے تو ہم کابل

اس کے لیے موزون خیال کرتے ہیں، مگراس کے لیے افغانستان کی رضامندی شرط ہے۔

میرا خیال ہے کہ آپ پروگرام کے ان حصص کو پھر مطالعہ کر کے ہماری وکالت کر سکیں گے۔ والسلام

عبیداللہ

۲۲۔ جون ۱۹۲۴ء)

حواشی:

(۱) سرور اجیہ ہند کے معنی ہیں:

PeoplesRepubliceof India:(2)Tothenorthit(N.W.F.Province)

to the moun tains of Hoindu Kush" Indian Year Book: 1923 p 110

extens

(۳) کوکناڈا (جنوبی ہند) میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا تھا۔ یہاں اسی اجلاس میں پیش کی جانے والی تجویز کا ذکر ہے۔

(۴) مولانا سندھی کی اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ انھوں نے صوبہ سرحد کا نام پشتانیہ تجویز کیا تھا اور خان عبدالغفار خان اور کانگریسی رہنماؤں نے بہت بعد میں پختونستان کی اصطلاح وضع کی تھی جو عوام میں مقبول نہ ہو سکی۔

(۵) یہاں "براہ راست" لکھنا چاہیے تھا۔

(۱۲)

برادر عزیز و مکرم سلمہ اللہ!

سلام مسنون۔ آج آپ کا خط پہنچا۔ اس خاص معاملہ میں پچھلے چھ مہینے میں نے بڑی تکلیف سے گزارے۔ مسعود کا طرز اچھا نہیں تھا۔ وہ ہزار چھپاتا مگر کسی قدر واقعات کا صحیح علم حاصل ہوتا تو اسے کہنے کی جرات نہ ہوتی اور طبیعت کڑھتی رہتی۔ بلاخر اس کا خاتمہ ہوا کہ مسعود تکیے میں چلا گیا۔

اس کے بعد آپ سے ہر وقت ڈر لگا رہتا۔ خدا جانے آپ کیا سمجھیں گے۔ کافی وقت تردد میں گزار کر آپ کو مختصر اطلاع دینے کا فیصلہ کیا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ آپ کا مفصل خط پڑھ کر مجھے کس قدر فرحت حاصل ہوئی۔ اس خط نے میرے سر سے بوجھ اتار دیا اور آپ سے طبعی محبت کے آئینہ پر جو تھوڑا سا غبار تھا، بالکل صاف ہو گیا۔

آپ اطمینان رکھیں، مسعود کے معاملہ میں بے اعتدالی نہیں ہوگی۔ اس کی ضروریات کسی نہ کسی طریق سے پوری ہو رہی ہیں۔ اس نے مجھ سے خود کہا تھا کہ استانبول میں مجھے اپنی ضروریات کی زیادہ فکر نہیں، البتہ تفصیل سے میں واقف نہیں۔ ریاض اسے کچھ دیتا ہے یا ترکوں سے اسے ملتا ہے یا آتے جاتے ہندوستانی اسے دیتے ہیں یا سفارت ....(۲) مگر اسے کوئی احتیاج نظر نہیں آتی۔ مسعود میں علاوہ غلط بیانی کے کاغذات چوری سے دیکھنے کی عادت بھی پوری قابلیت سے موجود ہے۔ میں نے کئی بار اس کا امتحان لیا اور آخر میں اس کی غلطی اسے بتلادی۔ ممکن ہے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے میں نے کبھی آپ کا نام لیا ہو کہ تم اقبال کی طرف سے اطلاعات حاصل کرتے ہو، مگر اس موقع پر آپ کا نام مسعود کو ذلیل الزام سے بچانے کے لیے لیا گیا، ورنہ کون سا کام ایسا ہے جسے میں آپ سے چھپانا ضروری سمجھتا ہوں؟

عبدالرب صاحب کئی روز استانبول رہے۔ شروع میں نوک جھوک ہوتی رہی۔ آخر میں ایک واقعہ پیش آیا جس سے نسبتاً" اعتدال پیدا ہوگیا۔ اگر میرا خیال صحیح نکلا تو تفصیل لکھوں گا۔

میں نے اس بات کی خاص رعایت رکھی ہے کہ میرے ذریعہ سے مسعود کا تعارف استانبول میں نہ ہو۔ میں جس گھر میں رہتا ہوں اس کے مالک سے مجھے معلوم ہوا کہ پہلے چھ سات مہینے تک پولیس میری نگرانی کرتی رہی اور اب اس نے اہتمام کم کردیا ہے لیکن مسعود کی نقل و حرکت پورے طور پر اب تک دیکھی جاتی ہے۔

میر عبدالوحید (۲) کا سیاسی مسلک بتلانے سے آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ میں ان کے متعلق مختلف روایات سن کر فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

عبدالقیوم ملک (۴) نے مجھے ووکنگ کے مفصل حالات بتائے اور وہ مولانا محمد علی پریذیڈنٹ احمدیہ اشاعت اسلام، لاہور سے محض اس لیے بدظن ہوگئے کہ وہ واقعات کی پردہ داری کرتے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ جماعتوں کی ذمہ داری میں کس قدر غلط طریقے مجبوراً" اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اب اگر ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی مسلک مکمل آزادی کے تعارف کرانے کی ضرورت ہے تو اشاعت اسلام مشن کو اپنا مسلک سیاسی معین کر کے اعلان کردینا چاہیے۔ اس کے بعد ایسی غلطیاں جیسی مولوی عبدالجبار وغیرہ کر رہے ہیں، کم ہو جائیں گی۔

سیاست سے غیر جانبداری کا اعلان اور موقعہ ملنے پر مسلک عامہ کے خلاف کام کرنے سے پیچید گیاں کم نہیں ہوں گی۔

مجھے اب کابل جانے کی توقع نہیں رہی۔ غیر معمولی حالات سے موقع ملا تو جانے سے انکار نہیں کروں گا۔ رہنے کے لیے استانبول بہت اچھی جگہ ہے۔ ہندوستانی اخبارات واشاعت اسلام کا لٹریچر اور ایک انگریزی دان رفیق اگر میسر آئے تو بہت لطف سے وقت گزرے گا۔ میں ترکی بول تو نہیں سکتا' کسی قدر سمجھ لیتا ہوں' لیکن عربی دان کافی مل جاتے ہیں۔ ایک ترک عالم سے مل کر "تعلیمات اسلامیہ پر فلسفیانہ نظر" کا پہلا حصہ ترکی میں لکھوایا ہے۔ اگلے ہفتہ پریس سے نکل آئے گا۔

وفد میں بعض احباب سے ملنے کا انتظار ہے' اگر موقع ملا تو استانبول میں ایک لائبریری قائم کردیں گے۔ یہاں ہندوستانی تکیہ ہے۔ اس کا شیخ آج کل افغان ہے۔ مسعود اور ریاض اس میں مصروف ہیں کہ اسے نکال کر کسی ہندوستانی کو وہاں رکھیں۔ اس میں انھوں نے مجھ سے بھی مشورہ لے لیا تھا۔ اگر وہ عمارت مل گئی تو اس میں کوئی علمی کام بھی ہو سکے گا۔

ظفر حسن وغیرہ کا عرصہ سے کوئی خط نہیں آیا۔ روپیہ کے لیے تار دیا تھا۔ اس کا جواب تار میں آیا۔ اس کے بعد اور اس سے پہلے کوئی اطلاع مفصل نہیں ملی۔ ظفر کا پتہ لکھوا دیتا ہوں۔

ہاں ایک واقعہ پیش آیا۔ استانبول کے اخبارات میں شایع ہوا کہ نذیر احمد سنی مسلمانان ہند کا نمایندہ چند امدادی (رقوم) لے کر انقرہ جارہا ہے۔ میں نے اس کی تردید شایع کرادی کہ سنی مسلمانوں کا نمایندہ کہنا غلط ہے۔ روپیہ ہر شخص دے سکتا (ہے)۔ نمایندگی کے غلط ادعا میں کوئی سازش پنہاں نہ ہو۔ اس کا ترجمہ "خلافت" میں چھپ چکا ہے اور خلافت نے نمایندگی سے انکار کردیا۔ نذیر' ریاض اور مسعود سے ملا تھا مگر مسعود نے ہمیں نہیں بتلایا۔ احتمال ہے کہ وہ کچھ روپیہ انھیں دے گیا ہو۔

مولانا برکت اللہ اور میر صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجیے گا۔ عزیز (۷) سلام عرض کرتا ہے۔

عبید اللہ

۳۱۔ جولائی ۱۹۲۴ء

سبیل الرشاد' استانبول

خط کے آخر میں ظفر حسن کا ماسکو کا ایڈریس روسی زبان میں لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے "عزیز" تحریر ہے۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ ایڈریس مولانا سندھی کے کہنے پر ان کے بھتیجے عزیز احمد نے لکھا تھا محمد اسلم۔

حواشی:

(۱) عبدالرحمان ریاض بابر بہار کا ایک مذہبی عالم تھا۔ وہ ازہر کا فاضل تھا اور اس نے پہلی عالمی جنگ میں ترکوں کی بڑی مدد کی تھی۔ اتاترک اس کا بڑا قدر دان تھا' اور اس نے ریاض کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا (آپ بیتی' جلد دوم' ص ۸۵۔)

(۲) یہاں مولانا سندھی نے جان بوجھ کر سفارت خانہ کا نام نہیں لکھا۔ قراین سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسعود برطانوی سفارت خانہ سے رقم لے کر انگریزوں کو مولانا سندھی کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا کرتا تھا اور اسے اس ضمن میں مولانا کے اہم کاغذات دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوا کرتی تھی۔

(۳) سید عبدالوحید یا میر عبدالوحید کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں مل سکیں۔ "تحریک شیخ الہند" میں سی آئی ڈی کی دی ہوئی فہرست میں جس وحید کا ذکر ہے' وہ یہ نہیں۔ مولوی برکت اللہ بھوپالی اور مولانا سندھی کے مکاتیب میں وحید کو بد دیانت اور بے اعتبار بتایا گیا ہے۔

(۴) ملک عبدالقیوم پنجاب یونیورسٹی لا کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔

(۵) مولوی محمد علی لاہوری (م ۱۹۵۱ء) لاہوری احمدیوں کے امیر تھے۔ انھوں نے قرآن حکیم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ موصوف کی وفات پر مولوی صدرالدین ان کے جانشین ہوئے تھے۔ مولانا سندھی ہجرت سے قبل ان سے ملے تھے۔

(۶) عبدالرحمان ریاض بابر نے' جو ترکی آنے سے پہلے بیت المقدس میں زاویہ ہندی کا متولی تھا' افغان متولی کے خلاف عدالت میں مقدمہ دایر کر دیا اور اپنے زاویہ ہندی کے بدلے میں ہندوستانی خانقاہ پر اپنا حق جتلایا۔ افغان متولی کے مرنے کے بعد وہ اس خانقاہ کا متولی بن گیا۔ مولانا سندھی اسی خانقاہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

(۷) عزیز احمد مولانا عبیداللہ سندھی کا جان نثار ساتھی اور مولانا احمد علی لاہوری کا بھائی تھا۔ مولانا سندھی نے ان کی والدہ کے ساتھ عقد کر لیا تھا۔ راقم نے انھیں دیکھا ہے۔

(۱۴)

برادر مکرم' سلام مسنون!

عرصہ ہوا آپ کے خط کا جواب نہیں لکھ سکا۔ بالآخر ہم بھی مجبور ہو کر ہندی تکیہ میں آگئے۔ اس عرصہ میں پہلے لالہ لاجپت رائے آئے۔ ان سے دو تین اچھی ملاقاتیں ہوئیں۔

ان کے بعد سید سجاد حیدر (یلدرم) رجسٹرار مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ تشریف لائے اور آخر ستمبر تک یہیں رہیں گے۔ ان سے پرانے علی گڑھ کے احباب کے حالات سن کر مسرت ہوئی۔ سید صاحب سے مختلف معاملات پر گفتگو جاری رہتی ہے۔

آج کل حسرت موہانی آزاد ہو گئے اور سوراجیہ پارٹی کا عقیدہ مکمل آزادی کی صورت میں تبدیل کرالیا (۲)۔ تنظیم کا کام اچھی طرح جاری ہے۔ دو چار روز سے ظفر حسن (استنابول) پہنچ گئے ہیں۔ اب بشرط عافیت لکھنے پڑھنے کا کام جاری رکھ سکیں گے۔ کاش کتابیں ہند سے آجاتیں۔ وفد کو اب تک راہداری نہیں ملی۔

مسعود اب ہمارا ہمسایہ ہے۔ چند روز سے ایک دوکان پر کام کرتا تھا، آج چھوڑ رہا ہے۔ آپ اگر ہندوستانی اخبار ہی منگادیں تو وقت اچھا گزرے گا۔ ہمدرد، کامریڈ (اور) الہلال دہلی سے نکلنے والے ہیں۔

ڈاکٹر حفیظ کے خط سے آپ کی مالی مشکلات کا علم ہوا۔ مگر مضمون واحد ہے۔ ظفر حسن (اور) عزیز سلام کہتے ہیں۔ والسلام

۱۱ر ستمبر ۱۹۲۴ء عبیداللہ

سبیل الرشاد، استانبول

حواشی:

(۱) لالہ لاجپت رائے سے مولانا سندھی کی ملاقات استنبول میں ہوئی تھی۔ مولانا چاہتے تھے کہ روس افغانستان کے راستے ہندوستانیوں کی فوجی اور مالی مدد کرے تاکہ وہ انگریزوں کو جنوبی ایشیا سے نکال سکیں، لیکن لالہ جی اس کے خلاف تھے۔ (آپ بیتی، ج ۲، ص ۸۸)۔ لالہ جی یہ سمجھتے تھے کہ جنوبی ایشیا پر افغانستان کا حملہ ہندوؤں کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔ (مولانا سندھی، سرگزشت کابل، ص ۸۶) انھوں نے مولانا سے کہا تھا کہ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔

(۲) مولانا حسرت موہانی نے سب سے پہلے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس احمد آباد دسمبر ۱۹۲۱ء میں اپنی صدارت میں مکمل آزادی کی قرارداد پیش کی تھی۔ لیکن وہ اسے منظور کرا سکے وہیں انھوں نے کانگریس کے اجلاس میں جانک آزادی کی قرارداد پیش کی اسے بھی منظور کرانے میں انھیں ناکامی ہوئی۔

کانگرس کے رہنما ان دنوں Dominion Status کے طرفدار تھے۔ ۱۹۲۸ء میں پنڈت موتی لال نہرو نے بھی نہرو رپورٹ میں اسی کا مطالبہ کیا تھا۔

(۱۴)

برادر مکرم سلمہ 'سلام مسنون!

آپ کا خط پہنچا۔ اچھا ہوا صدیقی صاحب (۱) کو لندن میں کام کرنے کا موقعہ مل گیا۔ کتابوں کی فہرست کیا بھیجوں۔ جب خط نہیں پہنچتے یا وہ لوگ ادھر توجہ نہیں کرتے تو فضول انتظار میں طبیعت بیقرار رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو جو کتابیں ملیں 'جب آپ مطالعہ سے فارغ ہو جائیں تو چند روز کے لیے ہمیں بھی بھیج دیا کیجیے 'ہم پڑھ کر واپس کر دیا کریں گے۔ فقط یہی ایک تفریح طبیعت کے لیے خیال اطمینان پیدا کرتا ہے۔

میں نے شاید پہلے بھی لکھا تھا کہ عبدالقیوم ملک صاحب نے مجھے ووکنگ مشن کا کام ذرا تفصیل سے بتلایا۔ خواجہ کمال الدین (۲) ایک ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں اور اس پر اشاعت اسلام کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے ملک سے کہا کہ یہ خواجہ کا ذاتی کام ہے۔ اس سے لاہوری جماعت پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور میں مولانا نورالدین مرحوم کے بعد مولانا محمد علی کی بہت عزت دل میں رکھتا ہوں۔ اس پر ملک نے کہا کہ شروع میں مولانا محمد علی کی نسبت میرا بھی یہی رویہ رہا مگر جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ خواجہ کی تمام حرکات سے واقف ہو کر اس پر پردہ ڈالتے ہیں تو میری عقیدت میں فرق آگیا۔

میں ذاتی طور پر مولانا محمد علی اور ان کے کام کی بہت عزت کرتا ہوں۔ مولانا صدرالدین سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں تھی مگر آپ کے بتانے پر میں ان سے بھی محبت رکھتا ہوں 'لیکن خواجہ کے مسئلہ کو صاف کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ آسان کام نہیں۔

ترکی میں آکر میری معلومات میں بہت اضافہ ہو گیا ہے کہ ایام حرب میں خواجہ کا شریف کے لیے مسلسل کیا کام رہا ہے۔ (۳) اب ہندوستانی مسلمانوں کی اگر رائے ہے تو باوجود سخت اختلاف کے وہ شریف کے مسئلہ میں ایک خیال رکھتے ہیں۔ میرا مطلب نوجوانوں سے ہے۔ اس کے بعد خواجہ کو مسلمانان ہند یا اشاعت اسلام کا نام استعمال کر کے اس خطرناک سیاست پر دوام کا موقع دینا ٹھیک نہیں۔

اب اگر کوئی فرد یا جماعت خواجہ کے کام کی حقیقت سمجھ کر اس مشن کو بدنام کرتی ہے تو میرے نزدیک وہ اس قدر قابل مواخذہ نہیں ۔ مجھے مولوی عبد الجبار وغیرہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں ۔ مگر انھوں نے برلین میں جو شورش مچائی ہیں اس کی تفصیلات سے کسی قدر مطلع ہو تا رہا ہوں ۔ وہ کافی زیادتی کرتے ہیں ۔

ہندوستانی مسلمانوں کو جس طرح بیرونی مسلمانوں اور انگیز دوست ہندوستانی مسلمانوں نے احمق بنا کر اب تک کام نکالا ہے' میرا خیال ہے اب اسے قطعی طور ناممکن کر دینا چاہیے ۔

"خلافت" نے اپنے کسی نامہ نگار کو جواب دیا ہے کہ افغانستان میں "مذہب کی آڑ میں ریشہ دوانیاں والا" مضمون نہیں چھاپا جاتا ۔ یہ آپ کا مضمون تو نہیں ؟

میں نے استانبول میں چھ مہینے رہ کر اپنے مطالعات سیاسی کو ایک پارٹی پروگرام کی صورت میں بطور مسودہ ضبط کر لیا ہے ۔ ظفر حسن اس کا ترجمہ کر رہے ہیں ۔ اگر اس کی نقلیں آسانی سے تیار ہو سکیں تو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا ۔

اگر آپ "ہمدرد" (۴) مجھے بھیجتے رہے تو میرے لیے بڑی مسرت کا باعث ہو گا ۔ مولانا برکت اللہ کی کتاب اب تک نہیں پہنچی (۵) ۔ آیندہ مجھے اس مسئلہ کے متعلق کوئی کتاب بھیجنے میں احتیاط کیجیے گا ۔ یہاں قانونا" اس قسم کے لٹریچر کی سخت ممانعت ہے (۶) ۔

تکیہ کے شیخ نے ہمارے خلاف پولیس میں رپورٹ کر دی ۔ پولیس مین ہمیں بلانے کے لیے آیا ۔ رئیس جمہوریہ کا خط ہمارے پاس تھا ۔ اسے دکھلایا' وہ سلام کر کے چلا گیا ۔ ایک پشتون کی مہربانی قابل دید ہے ۔ اس لیے مطلع کرتا ہوں ۔

مسعود کے لیے لالہ لاجپت رائے نے پاسپورٹ کے لیے میکڈ انلڈ (۷) کو لکھ دیا ہے ۔ لالہ جی کا خط مصر سے آیا تھا ۔ لالہ جی سے سیاسی خیالات پر جو مذاکرات ہوئے' اس سے باوجود موافقت نہ کرنے کے بہت سرور ہے ۔

آپ یہ نہ کہیں کہ میں ناراض ہو گیا' لیجیے فہرست پھر لکھ دیتا ہوں'

۱۔ سفرنامہ اسیر مالٹا ۔

۲۔ عبقات مولانا اسماعیل شہید ۔ یہ کتاب دیوبند سے ملے گی ۔

۳۔ تفسیر خواجہ عبدالحی (۸)

ظفر حسن (اور) عزیز احمد سلام کہتے ہیں اور خطوط خود لکھیں گے۔

۲۴ر ستمبر ۱۹۲۴ء عبید اللہ

حواشی:

(۱) عبد الرحمان صدیقی جنگ بلقان کے زمانے میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے طبی وفد میں شامل ہو کر ترکی چلے گئے تھے۔ مولانا سندھی نے انھیں ایک سو پونڈ سفر خرچ کے لیے دے کر ہندوستان بھیجا تاکہ وہ ان کا ایک اہم پیغام ڈاکٹر انصاری کو پہنچادیں۔ ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں کہ انھوں نے وہ رقم ہضم کرلی اور مولانا کا پیغام بھی ڈاکٹر انصاری کو نہ پہنچایا۔ یہ بزرگ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں گورنر کے عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں۔ (آپ بیتی، ج ۲، ص ۸۹)

(۲) خواجہ کمال الدین کا شمار احمدیوں کی لاہوری پارٹی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ مولانا سندھی اسے انگریزوں کا جاسوس سمجھتے تھے۔ مولانا سندھی کا یہ خیال تھا کہ خواجہ صاحب نے شریف مکہ حسین کی انگریزوں کے ساتھ سودے بازی میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ خواجہ کمال الدین دسمبر ۱۹۳۲ء میں فوت ہوا۔ اس کی قبر میانی صاحب لاہور میں لاہوری احمدیوں کے خصوصی احاطہ میں ہے۔

(۳) یہاں شریف سے مراد حسین، شریف مکہ ہے۔ (تشریف گورنر کے ہم معنی عہدہ۔)

(۴) ہمدرد مولانا محمد علی جوہر کا اخبار تھا جس نے تحریک خلافت کے زمانے میں بڑا کام کیا۔

(۵) مولوی برکت اللہ بھوپالی نے "خلافت" کے عنوان سے اردو، انگریزی اور فرانسیسی میں ایک کتاب لکھی تھی۔ یہاں اسی کتاب کا تذکرہ ہے۔ راقم نے یہ کتاب پڑھی ہے۔ میری رائے میں یہ ایک عامیانہ سی کتاب ہے۔

(۶) مولانا سندھی کی اس تحریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس وقت ترکی میں خلافت کے خلاف ردعمل شروع ہو چکا تھا۔

(۷) رمزے میکڈانلڈ، مشہور برطانوی وزیر اعظم، جسے مولانا محمد علی جوہر اس کی ہندو نوازی کی بنا پر رامجی مکنداس کہا کرتے تھے۔

(۸) خواجہ عبد الحی فاروقیؒ حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد اور جامعہ ملیہ دہلی میں تفسیر کے استاد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد موصوف اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں اسلامیات کے استاد مقرر ہوئے۔ ان کی تفسیر ادارہ اصلاح و تبلیغ، لاہور سے سات جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ راقم کو ان کی خدمت میں نیاز حاصل تھا۔ خواجہ صاحب میانی صاحب میں آغا حشر کاشمیری اور مولانا احمد علی لاہوری کی قبروں کے قریب

محو خواب ابدی ہیں۔

(۱۵)

برادر مکرم زید مجدہ' سلام مسنون!

آپ کا خط پہنچا۔ افسوس ہے کہ اس ناگوار بحث سے آپ کے جذبات محبت کو صدمہ پہنچا۔ اس کی تلافی کے لیے آج پھر مجبوراً" چند سطریں اس مسئلہ پر لکھتا ہوں۔ اس کے بعد یہ مبحث ہمیشہ کے لیے بند کردوں گا۔

آپ کو معلوم نہیں میں مولانا نورالدین مرحوم (۱) کی خدمت میں کس طرح حاضر ہوا ۔ آپ مولانا محمد علی اور مولانا صدرالدین سے دریافت کرسکتے ہیں کہ مولانا مرحوم میرے متعلق کیا خیال رکھتے تھے۔ ان کی دعاؤں کو میں اپنے لیے ایک ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ محض اس وجہ سے میرے دیوبندی کشمیری دوستوں (۲) نے میری تکفیر سے گریز نہیں کیا۔ مگر میری محبت اس پارٹی سے کم نہیں ہوئی۔

خواجہ کمال الدین دہلی آئے۔ میں نے ان کی ضیافت اسی اہتمام سے کی جس قدر میں کسی مرحوم دوست یا بزرگ کی کرسکتا تھا۔ میں کابل آنے سے پہلے مولانا محمد علی سے خاص طور پر ملا اور ان کی رائے بعض مسائل کے متعلق خاص طرح پر حاصل کی اور میں اسے ایک سند کے طور مانتا ہوں۔

میرے ذاتی خیالات ان لوگوں کی نسبت اتنے برے نہیں جیسے آپ کو شبہ ہوا۔ میری دوستانہ رائے تھی۔ جس کا میں نے اظہار کیا کہ اس جماعت کو اعلان کو دینا چاہیے کہ ہمیں سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی ممبر سیاسی غلط یا صحیح کام کرے گا تو اس کی ذمہ داری جماعت پر نہیں ہوگی۔

جب تک معاملہ اس قدر واضح نہیں کیا جاتا۔ ان تکلیفوں سے نجات مشکل ہے۔ عبدالجبار صاحب (۳) کو میں نہیں جانتا مگر عبدالقیوم ملک جیسے لوگ بھی جب معترض ہوں تو آپ خیال فرماسکتے ہیں کہ باہر کے لوگ کیوں مشکوک نہ ہوں گے۔ کشمیری نظریہ پر مسئلہ حل کرنا آپ کی خصوصیات سے ہے۔ یہ عام لوگوں کے لیے باعث اطمینان نہیں ہو سکتا۔

آپ نے دیوبند کی مثال دی۔ میں اسے اچھی طرح سمجھتا ہوں اور اسی لیے میں نے ایک فقرہ لکھا تھا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ مگر اس کا حل سوچنا چاہیے۔ اگر میں دیوبند کی اس

غلطی کے موید ین میں سے ہوتا تو آپ میری رائے اس معاملہ میں مشتبہ سمجھتے۔ مگر میں تو دیوبند کی اس غلطی پر بھی خاموش نہیں رہا اور سالوں اس قسم کے مناقشات اخباروں میں زیر بحث رہے۔ اسی تجربہ کی بنیاد پر میرا خیال ہے کہ اس قسم کی مخالفت بند نہیں ہوسکتی اور مسئلہ مجالس کے زیر غور رہے گا۔ اخباروں میں بحث ہوگی اور منشا اس تمام فساد کا فقط خواجہ کمال الدین کا طرز عمل ہوگا۔ اس کا حل میرے خیال میں فقط وہی تھا جو میں نے پہلے ذکر کیا یعنی اس علمی پارٹی کو اپنا سیاسی مسلک واضح کر دینا چاہیے کہ ہم محض تعلیم قرآن کی اشاعت کرتے ہیں سیاسیات سے غیر جانبدار ہیں۔

آپ نے اس سے عجب اور وغیرہ وغیرہ کیسے استنباط کر لیے؟ اگرچہ مسئلہ جہاد کے متعلق مولانا محمد علی کی رائے مجھے معلوم نہیں اور میرے خیال میں آج وہی وقت ہے جس کا انھیں انتظار تھا مگر اس کا فیصلہ کرنا میرا کام نہیں وہ لوگ خود فیصلہ کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

خواجہ کمال الدین اگر اپنی پارٹی کی نمایندگی کا دعوی کر کے کام کرتے تو بھی مجھے شکایت پیدا نہ ہوتی مگر وہ ظالم تو تمام سنی مسلمانوں کا نمائندہ بن کر انھیں کا گلہ کاٹتا رہا ہے۔

اقبال! خدا کے لیے بتلایئے اگر آپ کو ان حقایق کا وضاحت سے علم ہوا تو کیا آپ کو صدمہ نہیں ہوگا اور آپ بالکل نہیں بولیں گے۔

بس میرا معاملہ اس سے زیادہ نہیں۔ میں اس جماعت کے کام کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان کے لیے میدان عمل اور صاف ہوجائے اور مخالفتیں بیرونی دنیا میں زیادہ نہ پھیلیں۔

آپ کو شاید معلوم نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر کو میں نے مولانا صدر الدین کے نام خط دیا تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم رہے کہ میں جناب مرزا غلام احمد کے دعاوی کو ایک ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا اور مولانا نور الدین مرحوم کو علمائے اسلام میں بہت بڑے درجہ پر مانتا ہوں۔ مولانا نور الدین کا مرزا غلام احمد کو ماننا میں ان کی ایک اجتہادی غلطی مانتا ہوں۔ اس لیے میں مولانا نور الدین کے خاص شاگردوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔ میری اس تفریق کو جو لوگ نہیں سمجھتے وہ مجھے برا بھلا کہتے رہتے ہیں۔

اسی طرح خواجہ کمال الدین کے مسئلہ پر میرے اظہار رائے کی تہ میں دوستی ہے نہ دشمنی۔ مگر جسے اس بات پر یقین نہیں ہوگا، وہ ضرور اس کا مطلب اپنے فرقہ کی حمایت نکالے گا

۔ آپ کو اس قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیے ۔ اس کے بعد مجھے آپ کے سنانے اور زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور میرا خیال ہے کہ آپ کی خفگی بھی کم ہو جائے گی۔ والسلام۔

شیدائی آپ اس قدر غصہ میں آگئے کہ کتابیں بھیجنے کے لیے ایک فقرہ بھی نہ لکھا۔ اچھا اب بتا اردو تفسیر کب اور کتنے عرصہ کے لیے مجھے دے سکے گا۔

کیا یہ اس کی تمہید تو نہیں تھی کہ میں کتابیں مانگ ہی نہ سکوں۔ آپ لوگ اب تجارت میں مصروف ہو کر زیادہ سیاسی بن گئے ہیں۔ مگر ہم تو آپ کے تجارتی اشغال سے پہلے کے دوست ہیں۔ ہم کتابیں مانگنے سے باز نہیں آسکتے۔

مسعود کو خط دے دیا گیا۔ مگر اس میں آپ نے ایک فقرہ ٹھیک نہیں لکھا۔ اُدھر آپ مجھے تو کہتے رہے کہ آپ کا پتہ مسعود کو نہ دوں' ادھر آپ نے میرے خط کا ایک فقرہ اس میں نقل کر دیا۔ وہ کیا سمجھے گا کہ میں اس کے متعلق آپ کی رائے بدلتا رہتا ہوں۔ عزیز (اور) ظفر سلام کہتے ہیں۔ خلافت والی کتاب اب تک نہیں ملی۔ آپ کا مطلب پورا ہو گیا۔

۲ر اکتوبر ۱۹۲۴ء عبید اللہ

حواشی:

(۱) حکیم نور الدین بھیروی (م ۱۹۱۴ء)' مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اول تھے۔ ان کی وفات پر قادیانی جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ مولانا سندھی انھیں بہت بڑا عالم سمجھتے تھے اور ہجرت سے قبل ان سے قادیان جا کر ملے تھے۔

(۲) یہاں دیو بندی کشمیری دوستوں سے مراد (مولانا شبیر احمد عثمانی دیو بندی اور) مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ ہیں جنھوں نے مولانا سندھی کے دیو بند سے اخراج میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ قانون مکافات کے تحت بعد میں (مولانا شبیر احمد عثمانی) مولانا محمد انور شاہ کو بھی دیو بند سے نکلنا پڑا۔

(۳) عبد الجبار خیری اور عبد الستار خیری بڑے ثقہ کمیونسٹ تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۷ء میں اسٹاک ہام (سویڈن) کی بین الاقوامی اشتراکی کانفرنس میں شرکت کی۔ وہاں ان دونوں بھائیوں نے جنوبی ایشیا کی تقسیم کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ مولانا سندھی نے اس مکتوب میں اسی عبد الجبار کا ذکر کیا ہے۔ غیر ممالک میں رہنے والے انقلابیوں کے ساتھ اس کے بڑے اچھے مراسم تھے۔

(۴) مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو باطل قرار دیا تھا۔ یہاں اسی طرف اشارہ ہے۔ مولانا سندھی اس کے بارے میں مولوی محمد علی لاہوری کی رائے جاننا چاہتے تھے۔

(۱۶)

برادر مکرم زید مجدہ، سلام مسنون!

آپ کا پاکیزہ خط ملا۔ طبیعت مسرور ہوئی۔ میں نے اس سے پہلے ایک خط لکھا تھا، شاید پہنچ گیا ہو گا۔ میرا مقصد، آپ یقین کریں دوستانہ مشورہ تھا۔ الفاظ میں کسی قدر سختی آ گئی جس سے بے لطفی پیدا ہوئی۔ امید ہے آپ معاف فرمائیں گے بلکہ بالکل بھول جائیں گے۔

لالہ لاجپت رائے، (ایم، این) رائے سے تو نہیں ملا لیکن ایشیاٹک فیڈریشن پر ہماری گفتگو ہوئی جس کی تردید وہ شانتی کانفرنس (۲) میں کر رہے ہیں۔

بھائی صاحب! ایشیاٹک فیڈریشن میں تو چھپانے کی کوئی بات نہیں۔

کلیا میں گڑ پھوڑنے سے کام نہیں بنتا۔ ہم ڈنکے کی چوٹ یہ کام کریں گے اور بیشک جسے مخالفت کرنا ہے، وہ میدان میں آئے۔

ہم نے صاف کھلا پروگرام مکمل کر لیا ہے۔ اگر ڈیپوٹیشن کا انتظار نہ ہوتا تو اسے شائع کر دیتے۔ اب ان کے آنے پر ان سے بات چیت کر کے شائع کریں گے۔

ترک بیچاروں کا معاملہ ہندوستان کے متعلق اور تھا، اس لیے رائے ان کے خلاف کامیاب ہوا۔ ہمارا ہندوستان کے متعلق معاملہ اور نوعیت رکھتا ہے۔ اس میں رائے ہو یا راجہ (۳) ہماری مخالفت کر کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ استانبول میں جاپانی سفیر سے بھی مل چکا ہوں۔

البتہ اگر ہندوستان میں ہمارا کوئی دوست بھی تائید نہ کرے تو اکیلا چنا بھاڑ نہیں توڑ سکتا۔ مگر اس میں ہمیں مایوسی نہیں۔

پروگرام پندرہ بیس صفحہ ٹائپ شدہ ہو گیا ہے (۴)، نقل آسان نہیں، اس لیے جلدی آپ کی خدمت میں نہیں بھیج سکتا۔ دوسری دفعہ جب نقلیں کرالیں گے تو آپ کے مطالعہ کے لیے ارسال کروں گا۔

"یاد وطن" امریکہ سے ہمارے نام جاری ہو گیا ہے۔ ان سے خط و کتابت بھی رہتی ہے۔ مسعود کا ابھی کوئی فیصلہ نہیں معلوم ہوا۔

ظفر حسن، عزیز سلام کہتے ہیں۔

۲۰ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

عبید اللہ

سبیل الرشاد، استانبول

حواشی:

(۱) ایم ۔ این ۔ رائے کا اصل نام نریندر ا ناتھ بھٹ اچاریہ تھا۔ وہ ۱۸۸۷ء میں چوبیس پرگنہ (بنگال) کے ایک گاؤں ار. بیلیا میں پیدا ہوا۔ ۱۹.۵ء میں اس نے کلکتہ میں رہائش اختیار کرلی۔ جب تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں نے بلوے کیے تو رائے نے ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۱۵ء میں رائے امریکا چلا گیا اور وہاں اس نے غدر پارٹی کی رکنیت حاصل کرلی۔ اسی زمانے میں اس نے اپنا نام نریندر ا ناتھ سے بدل کر مہندر ا ناتھ رائے رکھا۔ امریکہ میں وہ خلاف قانون سرگرمیوں میں حصہ لینے کے جرم میں گرفتار ہوا لیکن کمال ہوشیاری سے جیل سے فرار ہو کر میکسیکو پہنچ گیا۔ یہاں اس نے شادی کرلی اور ہسپانوی زبان میں متعدد کتابیں لکھیں۔

میکسیکو سے رائے روس چلا گیا جہاں وہ تاشقند کی مشرقی یونیورسٹی میں کمیونزم کی تعلیم دینے پر مامور ہوا۔ روس میں چند سال قیام کے بعد وہ برلن چلا گیا۔ اس کی غیر حاضری میں انگریزوں نے اس کی خلاف مقدمہ چلا کر قید کی سزا دی۔ جب وہ پکڑا گیا تو اسے چھ سال کے لیے قید کردیا۔

قید سے رہائی کے بعد رائے سیاست سے عملاً" کنارہ کش ہو گیا۔ اس کا انتقال ۱۹۵۴ء میں ہوا۔ ظفر حسن ایبک اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ رائے کمیونسٹ ہونے کے باوجود ذہنی طور پر کر ہندو ہی رہا۔

(۲) یہاں شانتی کانفرنس سے (Peacee Conference) مراد ہے۔

(۳) یہاں راجہ سے مراد راجہ مہندر پرتاپ ہے

(۴) مولانا سندھی نے یہ پروگرام شائع کیا تو حکومت ہند نے ۱۵ر مئی ۱۹۲۵ء کو ایک نوٹیفکیشن کی رو سے اس کا ہندوستان میں داخلہ بند کردیا۔

(۱۷)

برادر مکرم!

بعد از سلام مسنون، واضح ہو، آپ کے خط کا جواب نہیں لکھا تھا کہ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ، لاہور کے دو رسالے پہنچے۔ کیا واقعی اب آپ نے اشاعت اسلام مشن میں شامل ہونے کا ارادہ کرلیا ہے؟ آپ کو ایک لطیفہ سناؤں۔ چند روز ہوئے دلیپ سنگھ گل نے یوروپ سے چند پرچے سیاست کے بھیجے۔ ان میں ایک مضمون مولانا ابوالکلام کا نظر پڑا۔

الفضل (۱) نے مولانا کو اتباع مسیح (علیہ السلام) (۲) کی دعوت دی تھی۔ مولانا کہتے ہیں بھائی میں تو مدت سے منتظر تھا۔ قادیان سے ایک آواز آئی کہ خدا نے اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ مسیح کے ہاتھ سے مقدر کر رکھا ہے۔ اس کے بعد کہا کہ انگریز تمہارے لیے "اولوالامر منکم" کے مصداق ہیں۔ پھر فرمایا: انگریز یاجوج ماجوج ہیں۔ اب میں حیران ہوا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ انگریز ہم میں سے ہیں اور یاجوج ماجوج ہیں تو گویا ہم یاجوج ماجوج ہیں۔ مضمون پورا ایک کالم ہے۔ اس میں تلوار کی لڑائی کی مدح سرائی ہے۔

دو قسم کے مسلمان عالم ہیں۔ ایک سیاسی طاقت ہاتھ میں لینا اسلام کی اشاعت کے لیے ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ مانا کہ وہ ناکام ہوتے ہیں۔ مگر قابل ملامت نہیں۔

دوسرے محض وعظ و تبلیغ سے تمام کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔ انھیں اپنا کام کرنے سے کوئی نہیں روکتا، لیکن مشکل اس میں پیدا ہوئی ہے کہ روپیہ پیسہ کی امداد دونوں جماعتوں کو عوام سے لینی پڑتی ہیں۔ جب تک احمدیہ جماعت فقط احمدیوں کے چندوں پر چلتی رہی نظریات کے اختلاف پر مناظرے ہوتے رہے۔ لیکن عملیات میں تصادم نہیں ہوا۔ جماعت احمدیہ، لاہور عام مسلمانوں سے چندہ لیتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اہل سنت سے علیحدہ فرقہ بھی نہیں بتاتے۔ اس لیے ان کے اعمال پر نکتہ چینی ہوتی رہے گی۔

سرسید نے مسلمانوں میں سیاسی جدوجہد کے لیے نئی تعلیم زائج کرنے کے لیے انگریزوں سے اتحاد بنایا۔ ان کے لیے لازم تھا کہ انگریزی سیاسی پالیسی کے ساتھ رہیں۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے ایران، عراق، سواحل عرب، مصر میں ہندوستانی نوجوان مسلمانوں سے کیا کیا کام لیے! جب تاریخ میں یہ واقعات ظاہر ہوں گے، لوگ حیران ہوں گے۔

مسلمانوں میں اشاعت اسلام کے لیے بیداری پیدا کرنے کے لیے قادیان کے بزرگوں نے انگریزوں سے اتحاد بنایا۔ اس حرب عمومی میں جس قدر انھیں انگریزوں کا ساتھ دینا پڑا۔ اس پر پردہ زیادہ دیر تک نہیں رہے گا۔ ترک حرب عمومی کی مفصل تاریخ بہت جلد چھاپ دیں گے۔ اس وقت اس جماعت کو اپنی صفائی پیش کرنے کا بہترین موقع ہوگا اور غلط فہمی رفع ہو جائے گی

آپ جانتے ہیں کہ قرآن شریف مولانا ابوالکلام نے بھی پڑھا ہے اور ان کی سیاسی جد

وجہد بھی غالباً" قرآن کے احکام کی تعمیل میں ہوگی۔ انھیں ہندوؤں سے اتحاد کرنا پڑتا ہے۔ میں بھی اگر اسی سلسلہ میں اپنا نام داخل کردوں تو میرے نزدیک' مثلاً" روس سے اتحاد ضروری ہے۔

اب اگر کوئی جماعت اسی مقصد کے لیے انگریزوں سے اتحاد کرتی ہے تو ان پر کیا الزام عاید ہو سکتا ہے؟ ایک مقصد کے لیے مختلف نظریات پر لوگ کام کر رہے ہیں۔ ہر ایک کو کام کرنے کا موقع دینا چاہیے۔ خدا جانے کس طریق سے کامیابی ہوتی ہے۔

خیر ان مباحث کو جانے دیجیے۔ راجہ مہندر پرتاب ماسکو پہنچ گئے ہیں۔ غالباً" برلین' پیرس ہو کر امریکہ جائیں گے۔ ڈاکٹر نور محمد چلا گیا۔ مدت ہوئی احمد حسن کا میرے پاس کوئی خط نہیں آیا۔ ظفر کے پاس پرائیویٹ آتے رہے۔ وہ سب جرمنی سے (لکھے گئے) تھے۔

جس طرح اپ نے یہ رسالے بھیجے۔ اگر اسی طرح پرانا فایل اردو اخباروں کا بنڈل بنا کر دیتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ اب ہمیں ایک "خلافت" کے علاوہ جو عاریتاً" پڑھنے کے لیے لیتے ہیں۔ کوئی اخبار نہیں ملتا۔ جس شخص سے خریدا کرتے تھے وہ مصر چلا گیا۔ کتابیں کوئی نہیں بھیجے گا اور نہ کوئی مشن آتا ہے۔

اب تک تو کامریڈ رائے کی پارٹی ہم سے دوستانہ برتاؤ کرتی رہی' کیوں کہ ہمارے خیالات مبہم تھے۔ اب ہم نے اپنا پروگرام لکھ لیا ہے تو غالباً" وہ بھی جدا ہو جائیں گے۔ مگر ہمارے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی کام دلچسپ نہیں ہو سکتا کہ اپنی واقفیت اور تجربہ کو ایک پروگرام کی شکل میں ضبط کر دیں۔ آج نہیں تو ایک عرصہ بعد لوگ اس کی قدر کریں گے عمل کے لیے تو ملک سے اتصال کی ضرورت ہے۔ جو ہمارے لیے ایک اخبار یا ایک کتاب کے لیے بھی ناممکن ہو رہا ہے۔

میرا وقت زیادہ تر پروگرام پر نظر ثانی کرنے میں صرف ہوتا ہے اور اب اس سے بھی تقریباً" فارغ ہو گیا ہوں۔ آپ کے مطالعہ کے لیے کچھ دنوں بعد بھیج دوں گا۔ والسلام۔

۱۷۔ نومبر ۱۹۲۴ء عبید اللہ

ظفر اور عزیز کا سلام قبول فرمائیں اور مولانا صدر الدین صاحب کی خدمت میں سلام پہنچا دیں' اگر کبھی خط لکھنے کا موقع ہو۔

حواشی:

(۱) الفضل احمدیوں کا اخبار ہے، جو برطانوی دور حکومت میں قادیان سے طبع ہوتا تھا اور اب ربوہ سے شائع ہوتا ہے۔

(۲) "علیہ السلام" مولانا سندھی نے خود قوسین میں لکھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدے نہیں طنزا" ہے

(۱۸)

برادر گرامی قدر سلمہ

سلام مسنون! کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔ آج ذرا تفصیل سے اپنی حالت واضح کرتا ہوں۔ اس میں گذشتہ واقعات کا مجبورا" ذکر آتا ہے۔ آپ تحمل سے پڑھیں گے۔ اس کے بعد پھر کبھی دہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

کابل چھوڑنے سے کوتل خنجان عبور کرنے تک کوئی خاص بات نہیں پیدا ہوئی۔ مگر اس پہلی رات کی صبح سے احمد حسن نے مجھے دھتکارنا شروع کیا۔ میں نے اچھی طرح غور کر کے صبر و تحمل کا فیصلہ کرلیا۔ مزار شریف میں احمد حسن نے صراحتا" کہا جب کہ وہ قونصل سے مل چکا تھا کہ اب آپ جو کچھ کریں گے، میرا فرض ہے کہ میں اس کی مخالفت کروں۔ میں نے اس سے دوبارہ پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس نے سنجیدگی سے کہا کہ آپ کی ہر ایک بات کی مخالفت کرنا میرا کام ہے۔ مگر میں نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ میں جانتا تھا اگر ظفر یا ڈاکٹر سے کہہ دوں تو وہ فورا احمد حسن کو چھوڑ دیں گے۔ مگر مجھے انھیں سنبھالنے کی اپنے اندر طاقت نظر نہیں آتی تھی۔ اس لیے انھیں احمد حسن کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔ اب یہ تینوں یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور احمد حسن مجھ پر سیدھا حملہ تو نہیں کرسکتا مگر آپ کے خلاف دونوں کو بھڑکاتا رہتا ہے اور اس طرح مجھ سے بھی انھیں جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں ان سب باتوں کو صحیح معنی میں سمجھتا تھا مگر کسی سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ ظفر حسن کمزور طبیعت رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے بھی ملتا اور احمد حسن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اسے تاشقند۔ ماسکو کے درمیان اختیار دیا کہ یا تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو یا احمد حسن کے۔ اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ میں نے کہا اگر ایسا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت تمھیں اپنے بھائی کو قتل کرنے کا کام تمھارے سر آپڑے کیا تم اس کے لیے طیار ہو؟ اس نے سوچنے کے لیے ایک وقت لیا اور کافی غور کے بعد وہ میرے ساتھ ہوگیا۔ اب اس نے احمد حسن سے لڑنا شروع کردیا۔

میں ماسکو میں کسی سے مل نہیں سکتا تھا' جب تک احمد حسن شریک نہ ہو' اور وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ میں کسی سے ملوں۔ ظفر کو احمد حسن نے را۔سنز وغیرہ سے ملایا اور اس کا مطلب تھا کہ فارن آفیس سے اس کا تعلق رہے۔ مگر ظفر کو میں نے اپنے ساتھ لے کر ملنا شروع کیا۔ ایک ملاقات میں نے احمد حسن کے ساتھ کی۔ وہ سخت بد لطف رہی۔ اس کے بعد ظفر کو ساتھ لے کر میں تنہا ملا۔ وہ تمام معاملات کی بنیاد تھی۔ جب تک آپ ساتھ رہے' میرے لیے ناممکن تھا کہ آپ کے لیے کوئی کوشش کر سکوں۔ میرا کام فقط یہ تھا کہ وہ آپ کے خلاف اگر کوئی منصوبہ سوچیں تو اسے توڑ دوں۔

آپ کے چلے آنے کے بعد پہلے دن میں نے ڈاکٹر اور احمد حسن سے کہ آج میں اقبال کے معاملہ سے فارغ ہو گیا اور شکر کرتا ہوں کہ تمھاری لڑائی نہیں ہوئی۔ سنو تم نے کس قدر نالائقی کا ثبوت دیا ہے۔ ڈاکٹر کی میری گفتگو ہوئی۔ احمد حسن سنتا رہا۔ تمام واقعات پر گفتگو کر کے ان کی غلطی ثابت کی۔

اس کے بعد میری گفتگوں جو را۔سنز سے ہو چکی تھی' وہ سلسلہ آگے بڑھا۔ مجھے ایک مضمون لکھوانے کی ضرورت ہوئی۔ ظفر سے لکھوایا۔ جب احمد حسن (اور) ڈاکٹر کو دکھایا تو احمد حسن میری تائید میں رہا ڈاکٹر کو اس نے اس درجہ طیار کر لیا تھا کہ ڈاکٹر بالکل مخالفت پر اتر آیا۔ میں نے ڈاکٹر کی مخالفت کی پروانہ کر کے مضمون بھیج دیا مگر وہ حصہ تمہیدی تھا۔ کام کی کوئی بات نہیں تھی۔ میں سخت حیران ہوا۔ جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے تو کام کیا ہو سکتا ہے۔ چند روز بعد احمد حسن برلین چلا گیا۔ اب میں نے دوسرا حصہ لکھوایا۔ اب کوئی مخالفت نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر نے اس پر دستخط کر دیا اور خدا کے فضل سے روز بروز معاملات زیادہ صاف اور واضح ہوتے رہے۔

اس کے بعد کے معاملات تحریر میں نہیں آ سکتے۔ جب ملیں گے کہا جا سکتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آج تک کسی ہندوستانی یا مشرقی کو ماسکو میں وہ بات نصیب نہیں ہوئی' جس درجہ پر میری گفتگو رہی۔

اب اس کے ساتھ میں اپنی پوزیشن محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اگر روپیہ میں ان کا دست نگر بن جاؤں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میری ذات کے لیے نہیں۔ ظفر (اور) ڈاکٹر دونوں آشنا ہیں۔ راے (اور) احمد حسن بھی جانتا ہے۔ راے کے واپس برلین جانے کے بعد احمد حسن نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معافی مانگ لی اور میں نے اسے صدق دل سے معاف کر دیا۔

اگر میری واقفیت اور میرے کام کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ واللہ مجھے کسی سے مقابلہ یا مزاحمت کرنے کی نہ ہمت ہے اور نہ ہوس ل ل۔

انگورہ پہنچ کر کابل 'طرزی (اور) عبدالہادی سے کافی خط و کتابت ہوئی۔ اگر کام کے لیے میری کابل جانے کی ضرورت ہو تو میرا راستہ صاف ہے۔ والا کابل کی زندگی سے میں جس قدر بیزار ہو سکتا ہوں' دوسرا کون ہو گا۔

میں انگورہ میں چند روز اس فکر میں مبتلا رہا کہ کہیں جنگل میں بیٹھ رہوں۔ عزیز سے کہا تم جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ وہ ساتھ رہنے پر آمادہ تھا تو اسے طیار کیا۔ کیا تم مزدوری کر کے میرے لیے روٹی لا سکتے ہو۔ وہ اس پر بھی طیار تھا۔ اس زمانہ میں مسعود آیا۔

عزیز کو آپ جانتے ہیں۔ وہ میرے لیے ہر ایک کام کر سکتا ہے۔ مگر کسی دوسرے کے لیے اس کی طبیعت نہیں مانتی۔ اگر مسعود ہائی کلاس میں رہنا چاہتا ہے تو عزیز کو یہ گوارا نہیں کہ وہ ایک خادم کی حیثیت سے رہے۔

مسعود سے جس قدر تلخ کلامی ہوئی' اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے ساتھ رہے۔ تنگی ترشی میں ساتھ دے۔ کسی بخل یا امساک کے خیال سے نہیں۔ اسے بات بتانا' اپنا خیال اس پر ظاہر کرنا بلا کسی حجاب کے جاری رہا۔ مگر ایک درجہ تک آپ کے تمام معاملات کو آپ کی مجبوریوں کے ساتھ سوچتا رہا ہوں۔ اس لیے آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ اگر آئندہ کام کی گنجائش نہ ہوئی تو اسی قدر کافی تھا کہ نہ میں آپ پر الزام لگاؤں' نہ آپ مجھ سے خفا ہوں۔ مگر واقعات ایسے نہیں۔

بفضلہ تعالیٰ کام جاری رہے گا اور مختلف لوگوں کے ہاتھ سے گزرے گا۔ اس لیے ہمیں اور زیادہ ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آج اگر میں کہہ دوں کہ ماسکو میری جگہ فلاں کو قبول کر لے تو یہ نہایت مشکل ہے۔ اگر آج میں کہہ دوں کہ کابل میرے درجہ پر فلاں کو مان لے تو اس میں کافی تامل کر کے مانے گا

جب کہ میں آپ ہی لوگوں میں سے ایک ہوں۔ جب تک میں بے وقوف نہ ہو جاؤں مجھ سے نزاع کی کیا ضرورت ہے! اور حالت یہ ہے کہ آج جن لوگوں سے مجھے خدمت لینے کا جائز حق ہو سکتا ہے' وہ مجھ سے الٹا معاملہ کرتے ہیں۔ مگر اپنے عزیز سمجھ کر انسان محبت سے سب کچھ برداشت کرتا ہے۔ اسی طرح عزیزوں کو بھی خیال مستقل رکھنا ضروری ہے۔

میں خدا کے فضل سے کہہ سکتا ہوں کہ باہر کیا کام ہونا چاہیے۔ اس کا جواب مجھ سے بہتر دینے والے آج باہر بہت کم ہیں۔ تو کیا عزیزوں سے مجھے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ میرا حکم مان کر کام کریں۔

اندر کام کرنے والوں کو اتنی مشکلات ہیں کہ وہ باہر کا کام سوچ ہی نہیں سکتے۔ پھر ان میں حکم دینے کی لیاقت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کام کے لیے ایک صحیح خیال کی اشاعت ابتدائی درجہ ہے۔ کام شروع کرنے پر زمین کی حالت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جو اندر رہنے والوں کے لیے ناممکن ہے۔

چند پریشان خیال لکھ کر ختم کرتا ہوں۔ اگر کوئی کلمہ پسند آیا تو قیمت وصول ہو گئی۔

والسلام

۷۔ دسمبر ۱۹۲۴ء　　　　عبیداللہ

استانبول

حواشی:

(۱) Reisner (ماسنر) روس کی وزارت خارجہ کا ایک اہم رکن تھا۔ وہ کابل کے روسی سفارت خانہ میں فرسٹ سیکرٹری رہ چکا تھا۔ اس نے ظفر حسن ایبک سے اردو پڑھی تھی۔ اسی کے توسط سے مولانا سندھی روسی وزیر خارجہ چیچرن سے ملے تھے۔

(۲) عبدالہادی خاں، سردار محمود بیگ طرزی کا شاگرد تھا۔ امان اللہ خاں نے اسے ایک وفد کا سربراہ بنا کر، روس، ترکی اور بعض یورپی ملکوں میں بھیجا تھا تاکہ وہ ان ممالک کے سربراہوں کو افغانستان کے استقلال کے بارے میں آگاہ کر سکیں۔

(۱۹)

برادر گرامی قدر سلمہ،

سلام مسنون! مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ میں نے پھر دوبارہ آپ کے جذبات مجروح کیے ہیں۔ اقبال خدا کے لیے ایسی فروگذاشتیں معاف کرتے رہیے۔ اس قسم کی چھیڑ چھاڑ لطیفہ بازی سے زیاد قیمت نہیں رکھتی۔

پروگرام ایسا نرم اور معتدل ہو گیا کہ وہ پریس میں بھیج دیا گیا۔ اس کی کاپی طیار ہونے پر ارسال کروں گا۔ پہلے جس قدر خیالات جمع کیے اور گذشتہ دسمبر ۲۳ء میں تحریر کیے تھے، وہ

حقیقت میں میرے شخصی خیالات تھے۔

مگر اس سال جس قدر تفصیل و توضیح سے خیالات مرتب کیے ہیں اس میں ظفر حسن بھی پورے طور پر شریک رہا اور ہندوستان کی کارروائی اور جس قدر ہندوستانی قابل مشورہ ملتے رہے اُن کی رائے بھی شامل کرلی گئی۔ اس لیے اسے صحیح معنی میں کانگریس کمیٹی کے نام سے نسبت ہو سکتی ہے۔

اگر کانگرس کمیٹی کے ممبر کہیں جمع ہو سکتے تو ان کی پوری تنقید کے بعد شایع کرتے، مگر اس وقت تک کمیٹی کے عہدہ دار کمیٹی کا نام استعمال کرسکتے ہیں اور اسی سے اس وقت کام لیا گیا۔ اس سے تفصیل لکھنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی رائے حاصل کرنے سے پہلے شایع کرنے پر آپ مجھے معذور سمجھیں۔ آپ کے لیے یہ پروگرام ایک مسودہ کی حیثیت رکھتا ہے اگر آپ سیاسی جدوجہد شروع کرنے پر اس میں تصحیح کرائیں گے تو وہ بصد احترام قبول کروں گا(۱)۔

میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ماسکو کی تحریک کا مفصل مطالعہ کرنے کے بعد میں اپنے عقاید محفوظ رکھ سکا اور ہندوستان جیسے ملک میں باطمینان خاطر کام کرنے کا راستہ معین کرلیا۔

میں جانتا ہوں کہ آج اس پر کامیابی سے عمل نہیں ہو سکتا۔ مگر چند روز بعد لوگ اس کی قدر کریں گے۔

جی چاہتا تھا کہ مسعود کے متعلق بعض واقعات کی آپ کو اطلاع دے دوں۔ اس نے چھ مہینے سے زیادہ عرصہ ہوا جب ایک درخواست لکھی تھی جو اتفاقاً" ہم نے دیکھ لی کہ میں فلاں (ایک ہندوستانی پولیس افسر) کے ساتھ چلا جاتا مگر بعض وجوہ سے میں رہ گیا، اب واپس جانا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے ہم نے اس سے پوچھا تھا کہ تو اس افسر سے ملا ہے، تو اس نے انکار کردیا تھا۔ اس کے بعد بھی بعض غلط بیانی کرتا رہا۔

اب دوسری دفعہ لالہ لاجپت رائے کی معرفت درخواست دی۔ جس کے سلسلہ میں عرصہ سے آمدورفت جاری ہے۔ اس وقت پھر اس نے اپنی سرگذشت یا ایک رپورٹ طیار کی جو پھر ہمیں مل گئی۔ جس بات کا آپ کابل سے اندیشہ رکھتے تھے وہ اب اور مکمل صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ اس میں آپ کی طرفداری کرتا ہے۔ میری اور احمد حسن کی مخالفت اور نہایت کمینے الزام لگاتا ہے۔ اس نالایق کو یہ معلوم نہیں کہ میں دیکھ چکا ہوں۔ کل مجھ سے

نہایت متین بن کر ملا اور کہتا ہے کہ شاید دو مہینہ میں میری اجازت آجائے۔ اس عرصہ میں میں انقرہ جانا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

میں نے لطافت سے اسے سمجھایا کہ تمہاری پوزیشن نازک ہے۔ تمہیں ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ اس ذیل میں معمولی بات پر وہ ایک طرح دھمکیوں پر اتر آیا اور آپ کا میرے مقابل نام لیتا رہا۔ میں نے اسے بہت ڈانٹا کہ خبردار اقبال کا نام نہ لیا کرو۔ وہ اب تمہارے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔ صدیقی کی رائے تمہارے خلاف تھی۔ اس لیے اقبال سے تم کوئی توقع نہیں رکھ سکتے۔ اس پر ذرا نرم تو ہوگیا' اگرچہ آپ کی ہدایت کے خلاف بات ہوئی مگر ایک جوش میں ایسا ہوا۔ اطلاعاً" لکھ دیا۔ والسلام۔

عبیداللہ

۱۴۔ دسمبر ۱۹۲۴ء

زکریا کو آپ کا پتہ دے دیا ہے' وہ شاید آپ کو لکھے گا۔

حواشی:

(۱) مولانا کی اس تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی رائے کا بیحد احترام کیا کرتے تھے۔ (م ا)

(۲) جو لوگ مولانا سندھی کو کمیونسٹ یا کمیونسٹوں کا ہم نوا کہتے ہیں' ان کے لیے یہ فقرہ غور طلب ہے۔ (م ا)

(۲۰)

برادر گرامی قدر سلمہ'

سلام مسنون! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پروگرام آپ کو سلامت مل گیا۔ آپ کا اسے قابل غور سمجھنا' اس کی پوری داد ہے۔ جزاکم اللہ'

کامریڈ اور تو ارش کی بیرحمانہ تنقید سے جو تکدر پیدا ہوا تھا' رفع ہوگیا۔ مجھے یقین ہے کہ (ڈاکٹر) کچلو' ظفر علی (اور) حسرت (موہان) اسے اچھی نگاہ سے دیکھیں گے۔ محمد علی (خاں اور) شوکت علی ان تینوں کی تائید کے بعد مان جائیں گے۔ جمعیۃ العلماء پورے طور پر قبول کرے گی۔

گزشتہ سال مختلف طور پر پروگرام کے اساسی نکتے لکھ چکا ہوں۔ وہ نہایت خوبی سے مانے گئے۔ خلافت کانفرنس میں تنظیم کا پروگرام اسی کا عکس ہے اگر آپ میرا خط اور ظفر علی خاں کا امرتسر خلافت کانفرنس کا خطبہ ملا کر پڑھیں تو آپ حیران ہوں گے۔

تقسیم ہند سے ہندو ناراض ہوں گے۔ آپ کی رائے یقیناً صحیح ہے ،مگر افتراق کی پہل انھوں نے کی۔ سوامی شردھانند' مالوی (اور) راجہ مہندر پرتاب علاحدہ ہو گئے۔ اس کی تفصیل پھر سناؤں گا۔ انھیں بھی سمجھا چکا ہوں' ہندو مہاسبھا (اور) سنگھٹن اسی کا نتیجہ ہے۔ ہم پر کوئی الزام نہیں لگا سکتے اور ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہا۔

سید سجاد حیدر' رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ایک مہینہ استانبول میں رہے۔ میں تمام تفصیلات ان سے بھی کہہ چکا ہوں۔ وہ پوری طرح پر موید تھے۔ آپ دیکھیں گے۔ علی گڑھ پارٹی (اور) مسلم لیگ سب مان جائیں گے اور کوآپریٹر (اور) نان کوآپریٹر سب مل جائیں گے۔ سب سے پہلے مسئلہ تقسیم کا نظریہ میں نے کابل میں ۱۹۱۶ء میں لکھا تھا(۱)۔ مولوی احمد علی کو اس کی پوری تعلیم دی کر واپس بھیجا تھا۔ ڈاکٹر اقبال (اور) فضل حسین پہلے یہ نظریہ قبول کر چکے ہیں۔

کامریڈ رائے اس تقسیم پر ناراض ہے۔ لیکن ہمارے پروگرام میں انقلابی روح اس کے نیشنل پروگرام سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے مجبوراً" قطعی مخالفت نہیں کرتا۔ اس کی تنقید کا جواب اور توارش کا جواب لکھ دیا تھا۔ فراغت میں اس کی نقل آپ پڑھ سکیں گے۔

پروگرام ہندوستان بھی کئی راستوں سے بھیج دیا ہے اور افغانستان بھی۔ روس بھی بھیج دیا ہے۔ ترکی (اور) مصری اہل الرائے بھی دیکھ چکے ہیں۔ ایرانیوں کو بھی دیا ہے۔ جاپان بھی دیکھ لے گا۔

یہاں کے روسی تائید کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ مصری و ترک احباب (اور) ماسکو سے بھی امید ہے' تائید ہوگی۔ مگر ذرا محنت اور مقابلہ کے بعد۔ جاپان بہت مسرت سے قبول کرے گا۔ افغان گورنمنٹ الٹی میٹم سمجھے گی۔ ہندستان دیکھیں کس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔

آپ کو خوشی ہوگی۔ لالہ لاجپت رائے خود پنجاب کو تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ مولانا محمد علی نے کہا ہے کہ استانبول سے سہارن پور تک یا مسلم آبادی ہے یا مسلم اکثریت۔

آپ کے خط میں یوپی میں مسلم آبادی کی نسبت تخمینہ صحیح نہیں۔ وہاں ۱۳ فیصد مسلم ہیں' سرو راجیہ ہند کا مرکز لاہور مسلمانوں کا ہے اور آگرہ ہندوؤں کا۔ یوپی' راجپوتانہ (اور) گجرات میں ہندو آبادی زیادہ ہے۔ اسی امتزاج سے ہندوستانیت محفوظ رہتی ہے۔

انڈین ایئر بک ۱۹۲۳ء میں صوبہ سرحدی کے حدود اربعہ لکھتے ہوئے شمال میں ہندو

کش، قراقورم (اور) ہمالیہ لکھا ہے۔ افغانی شہزادہ کا خیال خواب میں بھی نہیں۔ مسلمانوں کی عمومی فلاح چند شخصیتوں پر قربان نہیں کی جاسکتی اور پھر روس سے اتحاد ایسی حالت میں ناممکن ہو جاتا ہے۔ مسدس کے بند تو اسی خیال چھوڑنے کے ثبوت میں نقل کیے تھے۔ آپ نے شاید اس حصہ کو معمولی طور پر پڑھا ہے۔

خدا کا نام یاد کرنے کے لیے جس قدر عبادت گاہیں ہوں، اگرچہ جہالت سے وہ لوگ مشرکانہ رسوم وبت پرستی کے مرتکب ہو رہے ہوں، میں ان پر حملہ اپنی تحقیق میں اسلام کی تعلیم کے مخالف سمجھتا ہوں۔ میں سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ، کے بعض اعمال ان کی اجتہادی خطا مانتا ہوں۔ اس لیے رضاکار کے لیے جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنی سمجھ میں اسلام کی تعلیم کے اندر ہندوستان میں مسلمانوں کو انسانیت کے بلند پایہ پہ ثابت کرنے کے لیے لکھا ہے

سوراجی رضاکار مسلم جب دیکھے کہ ایک مندر کو مسلمان منہدم کر رہے ہیں تو اس کی مدافعت میں اسے شہید ہو جانا چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک ہندو عورت کی حفاظت کے لیے (بھی)۔ ہندوؤں کو اگر کوئی چیز ہمارے پروگرام میں دلکش نظر آئے گی تو یہی رضاکاروں کے فرائض ہوں گے۔

شیدائی! میں آپ کا انٹرنیشنل سیاست میں مطالعہ پڑھ کر بہت مسرور ہوا۔ انشاء اللہ ہمارے نوجوان دنیا میں اپنا وجود عزت سے ثابت کرلیں گے۔

شیدائی! میں آپ کی طبیعت کو اپنے اوپر قیاس کر کے جلدی سمجھ سکتا ہوں۔ مسعود کے متعلق میں اس لیے واقعات آپ کو لکھتا رہتا ہوں کہ اس کی طرف سے آئندہ کسی غلط بیانی سے دوستی میں فرق نہ آئے۔

پروگرام کی کاپی اور بھیج رہا ہوں۔ مولانا برکت اللہ کی خدمت میں بھیج دیں۔ ان کی رائے کیا ہوگی۔ مگر ہمیں ان کے مطالعہ کے لیے بھیجنا ضروری ہے۔ اس پروگرام کی تمہید میں مجھے نرم لفظوں میں افغانستان سے علاحدگی کا اعلان منظور ہے اور کانگرس کمیٹی کابل کا پریزیڈنٹ بن کر میں لطافت کے ساتھ پروویژنل گورنمنٹ کے سلسلہ سے بھی اپنے آپ کو علاحدہ بتلانا چاہتا ہوں۔ اگرچہ کانگریس کمیٹی کابل کو ایک معنی میں پروویژنل گورنمنٹ کا ہم معنی لکھ دیا ہے۔ ان تصریحات کی ضرورت نہیں۔ عقلمند خود سمجھ جائیں گے۔ پروگرام کی کاپی

راجہ مہندر پرتاب صاحب کو امریکہ بھیج دی ہے۔[106]

اس کے بعد جب کبھی خط لکھوں گا۔ ارادہ ہے کہ ایک ایک کاپی آپ کو بھیجتا رہوں

۔والسلام

۲۸۔جنوری ۱۹۲۵ء عبیداللہ

ظفر حسن ناراض نہیں۔ اس کا ایک خط آپ کو نہیں ملا۔ دوسرا اس سے پہلے مل چکا ہوگا۔ چند روز ذرا کفایت شعاری بھی پیش نظر تھی۔ والسلام

حاشیہ:

(۱) مولانا سندھی کا یہ مکتوب ۱۹۲۵ء کا نوشتہ ہے۔ علامہ اقبال نے تقسیم کا نظریہ۔ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں پیش کیا تھا۔

(۲۱)

محترمی!

سلام مسنون۔ کل آپ کے خط کا جواب لکھا۔ آج ایک خیال آیا۔ آپ کے جواب سے پہلے آپ کو لکھ دیتا ہوں۔ اگرچہ آپ کے مفصل خیالات سننے کے بعد زیادہ موزوں ہوتا۔ مگرچوں کہ یہ کام میرا شخصی نہیں اور آپ اصولاً اسے زیادہ غلط نہیں دیکھتے۔ ساری تفصیلات وفروع ایک مسودہ کا حکم رکھتے ہیں۔ خیال مکمل سامنے آجائے' اس لیے سب کچھ لکھ ڈالا۔

آپ نے روما میں مستقل کام کا ارداہ کرلیا ہے اور برلین پیرس میں بھی آتے جاتے رہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس کا لحاظ بھی ساتھ ہی رکھیں کہ روما' برلین (اور) پیرس میں سوراجی انفریشن بیورو کھول سکیں۔

میرا جہاں تک تجربہ ہے' میں اسے نہیں مانتا کہ ایک سمجھدار تعلیم یافتہ نوجوان ہندوستانی مسلمان محض اشاعت السلام میں اپنی زندگی وقف کرسکتا ہے۔ جب تک اسے ایک سیاسی پروگرام بھی ساتھ ہی نہ سمجھادیا جائے اور وہ اس پر مطمئن نہ ہولے۔

میں نے اس پروگرام میں اسلام کی انقلابی اسپرٹ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور میں بحیثیت ایک ہندوستانی مسلم انقلابی کے اسے شرق میں منوانے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ آثار ایسے ہیں جس سے کامیابی کی توقع ہوسکتی ہے۔ میں نے لاہور کو ایشیاٹک فیڈریشن کا سنٹر

پورے غور اور سمجھ کے بعد مقرر کیا ہے ورنہ میری شیفتگی دہلی کے سوا اور کوئی نام نہ لینے دیتی

میری خواہش ہے کہ مولانا صدر الدین (۲) اس پروگرام کو پڑھیں۔ اگر ان کی سمجھ میں مناسب ہو تو انجمن احمدیہ اشاعت اسلام' لاہور کو بتلائیں اور نوجوان مبلغین کی تعلیم کا اسے حصہ بنادیں۔

میں اسے اپنے نام سے شایع نہ کرتا تو اندرون ہند کام میں بہت آسانی ہوتی' مگر آپ جانتے ہیں کہ اس صورت میں بیرونی کام میرے لیے مشکل ہو جاتا۔ پروگرام کے اصول مولانا صدر الدین لے لیں اور اپنے طرز سے اسے اپنے ہاں رایج کریں۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ حقیقی مسلمان اس تحریک کے مالک رہیں گے۔

جہاں ایک شہر میں اشاعت اسلام کا مرکز ہو' اگر وہیں سوراجی مرکز بھی بن سکا تو ان کا آپس میں اتحاد ہو گا اور نہایت خوبی سے ایک دوسرے کی معاونت کر سکیں گے۔ اگر اس طرح متحد کام کی بنیاد پڑ جائے تو میں یقیناً" کہہ سکتا ہوں کہ جب تک نیشنل کانگریس بیرونی کام کا فیصلہ کرے اس سے پہلے ہم دنیا کے اہم مراکز پر قبضہ کر چکے ہوں گے اور انقلاب کے بعد ہماری پوزیشن ہند میں کمزور نہیں ہو گی۔

خیال کا دوسرا حصہ:

میں یہاں کبھی کبھی اہل علم سے ملتا ہوں۔ بعض مضامین بھی دوسروں کے نام سے شایع کرائے۔ مسلمانوں میں اشاعت اسلام آپ جانتے ہیں' میرا خاص کام رہا ہے۔ اس سے مجھے از حد دلچسپی ہے۔ استانبول دنیا کا ایک مرکز ہے۔ میرا جی چاہتا ہے یہاں سے اشاعت قرآن کا مستقل سلسلہ قائم ہو جائے۔ اس کے متعلق میں نے بعض اہل الرائے (اور) اہل العلم سے تذکرہ شروع کر دیا ہے۔ قرآن کا ترجمہ تمام اسلامی زبانوں میں ایک محقق مستند جماعت اہل علم کی طرف سے شایع ہو۔ یہ مقصد ہو گا۔ چوں کہ استانبول میں ابھی اتنی جان ہے کہ یہاں قرآن کو اس کی اصلی سیاسی روح سے معرا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ کام مبارک ہو گا۔

کیا انجمن احمدیہ اشاعت اسلام' لاہور بحیثیت ایک نمبر کے اس جمعیة میں شریک ہونا پسند کرے گی اور اپنی تحقیقات سے مسلمانوں کو دوسرے طریق پر مستفید ہونے کا موقعہ

دے گی؟ اس کے متعلق بھی مولانا صدرالدین صاحب سے تذکرہ کریں۔ یہ مجلس سیاسیات سے قطعاً بے تعلق ہوگی اور میں براہ راست اس میں کوئی حصہ نہیں لے سکوں گا۔

آج اجمالی طور پر اپنا خیال لکھ رہا ہوں۔ آپ اسے صحیح معنی میں سمجھیں گے اور اپنے خیال سے مطلع کریں گے۔ اس بات کی سخت تاکید سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے تمام خطوط پڑھ کر فوراً جلا دیے جائیں۔ والسلام۔

میں نے آج آپ کو برادر گرامی قدر مثل سابق نہیں لکھا۔ وہ جملہ میں ذرا تکلف سے لکھا کرتا تھا۔ اس لیے اس حذف کردیا۔ امید ہے آپ اس تغیر کو پسند کریں گے۔ والسلام

۲۹۔ جنوری ۱۹۲۵ء عبیداللہ

پروگرام کی کاپی مولانا صدرالدین صاحب کے لیے بھیجتا ہوں۔

حواشی:

(۱) مولانا عبیداللہ سندھی نے ترکی میں قیام کے دوران میں جنوبی ایشیا کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے سرو راجیہ پارٹی قائم کی تھی۔ اس پارٹی کا منشور ظفر حسن کی "آپ بیتی" جلد ۲، ص ۱۰۱۔۲۰۱ پر موجود ہے۔

(۲) مولوی صدرالدین (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۸۱ء)، مولوی محمد علی لاہوری کی وفات کے بعد ۱۹۵۱ء میں احمدیوں کی لاہوری جماعت کے امیر مقرر ہوئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۵۔ نومبر ۱۹۸۱ء کو لاہور میں ہوا اور لاہوری احمدیوں کے قبرستان واقع دارالسلام نزد پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں دفن ہوئے۔ راقم نے مولوی صاحب کو اقبال شیدائی مرحوم کے جنازہ پر دیکھا تھا۔ مولوی صدرالدین کافی عرصہ تک برلن اور ووکنگ (لندن) میں مبلغ بن کر رہے ہیں۔

(۲۲)

مکرمی سلمہ اللہ!

سلام مسنون۔ آپ کا دوسرا خط پہنچا۔ جس وقت سے آپ نے پروگرام کا مطالعہ کیا وہ میری محنت کا پورا معاوضہ ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں میں سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان مستقل کام کرنے والا اور پھر عزیز اور بھائی جب کلام میں ہم خیال ہو جائے تو اس مسرت کا کاغذ پر اظہار نہیں ہو سکتا(۱)۔

آپ نے مولانا صدرالدین صاحب کی خدمت میں خط بھیج دیا۔ اس سے میرے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ فقط یہی کہ میں آپ کو بے تکلف خط لکھتا ہوں۔ ان کے سامنے ذرا زیادہ صاف خط جانا چاہیے تھا۔ مگر آپ کا فیصلہ قابل اعتراض نہیں۔ بعض اوقات تکلف فیصلہ کرنے میں حجاب پیدا کر دیتا ہے۔

یوپی کی شہری آبادی میں مسلمانوں کی نسبت ۳۰ فیصد ہے اور تمام آبادی میں ۱۳، ۱۴ فیصد سے زیادہ نہیں۔ یہ اعداد علی گڑھ پارٹی اور لکھنؤ کانگریس کی رپورٹوں سے یاد ہیں۔

سارے ہند کی مکمل اسکیم لکھنے سے ہم شردھانند پارٹی (۳) پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ اس وقت ہمیں جرات سے علاحدہ فیصلہ کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ فقط یہی ایک طریق ہے، جس سے مسلمانوں کی بیرونی شکست سے جو جرات ان لوگوں میں پیدا ہوئی ہے، اس سے دبا سکتے ہیں۔ خصوصاً" جب کہ روس سے مل کر کام کرنے کا اعلان ہو۔ ہندو سرمایہ داری کو بچانے کے لیے ساری چالیں چلیں گے۔ انگریزوں سے ملیں گے۔ ہمیں اس سے بالکل نہیں گھبرانا چاہیے۔ موجودہ لیڈر اس ہمت کے نظر آتے (ہیں)۔ عموماً" علی گڑھ (اور) دیوبند کے لوگوں کو میجارٹی (Majority) حاصل نہ ہونے سے وہ اعلی ہمتی پیدا نہیں ہو سکتی جو ایسے خطہ کا مسلمان طبعی طور پر دکھلا سکتا، جہاں عموم آبادی مسلمانوں کی ہو۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت ہند میں میرے لیے ذاتی فائدہ کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ مگر مسلمانوں کا اس طرح دریا کی رو میں بہہ جانا طبیعت برداشت نہیں کرتی۔ میرا مطلب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے اشتراک سے اس قسم کا نہیں تھا کہ وہ سیاسی پروگرام کا کوئی حصہ اختیار کر لیں۔ مطلب فقط یہ ہے کہ اگر وہ اس پروگرام کو پسند کر سکتے ہیں تو ان کی جماعت کا سیاسی عقیدہ اس کے قریب قریب رہے۔ اظہار اور عمل کی ضرورت نہیں۔ اس پروگرام پر کام کرنے والوں سے ان کی ہمدردی رہے۔ ان کی تعلیمات میں اپنے الفاظ میں نوجوانوں کو چند اصول بتا دیے جائیں جو قرآن شریف اور سنت صحیحہ میں ثابت ہیں۔ مثلاً" ربا قطعی طور پر ممنوع ہے۔ ایسے بینک جاری کرنا اور اس قسم کی شرکتیں معاملات میں پیدا کرنا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے اور موجودہ ترقی کے زمانہ میں، جہاں سود لینا دینا جائز ہو، یہ امر بجز اشتراکین کے نظریات اور کہیں نہیں ملتا (۵)۔

زمین کے متعلق فاروق اعظم کا اجماعی فیصلہ ہے جو انھوں نے ایران کی مفتوحہ زمین

کی متعلق سال بھر کے مشورہ کے بعد سورہ حشر کی آیت سے استنباط کر کے صادر کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں اس فیصلہ کی بہت لمبی (لمبی) تفصیل ملتی ہے۔ ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین (میں)۔

ربا کی تحریم کے لیے جو مصلحتیں شاہ ولی اللہ حجۃ اللّٰہ البالغہ میں بتاتے ہیں' اس ذیل میں سرمایہ داری اور ایمپراطوری کی تمام خرابیاں وضاحت سے لکھ کر فرماتے ہیں کہ اسلام کا قصد ہے کہ یہ کسرویت اور قیصریت دنیا سے ناس کردی جائے۔

احادیث صحیحہ میں مزارعت کی ممانعت موجود ہے مگر اکثر اہل علم اس کی تاویلیں کرلیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان کو بلا تاویل مانتے ہیں۔ ان مثالوں سے میرا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ مبلغین اسلام اگر ان مسائل پر محققانہ نظر رکھتے ہیں اور اسلام کی یہ اسپرٹ نمایاں کرسکیں تو انھیں اپنے مطلب میں زیادہ کامیابی ہوگی۔

عبدالرحمان استانبول میں رہتے ہیں۔ ہفتہ عشرہ میں ملنے آیا کرتے ہیں۔ میں نے شروع سے جس طرح پروگرام بنانے میں تدریجی ارتقاطے کیا' ہمیشہ انھیں ساتھ ساتھ باخبر کرتا رہا۔ اس وقت پروگرام انھوں نے پسند کرلیا ہے' مگر کچھ عرصہ تک وہ کوئی عملی کام نہیں کریں گے۔ عبدالرحمان بے کو آپ کے الفاظ سنا دیے' وہ مسرور ہوئے (۶)۔

رحمت علی فرانس میں تھا۔ اس کا خط عرصہ سے نہیں آیا۔ (ایم۔ این) رائے پیرس سے نکالا گیا۔ معلوم نہیں اس کے رفقا کا کیا حال ہے؟

آپ کی پرائیویٹ کیفیات میں نے کبھی ظفر حسن کو نہیں بتلائیں۔ اس لیے خط کے ٹکڑے سنا دیتا ہوں۔ اگر خدا نے ہمیں وسعت دی تو کم از کم ۳۰ پونڈ اس وقت تک ضرور میسر ہوسکیں گے۔ آپ چوں کہ انفریشن بیورو میں آیندہ کام کریں گے' اس لیے یکشت آپ کو بھیج دیں گے۔ یہ امر میں نے اس لیے لکھا کہ روپیہ کے معاملہ میں اگر ظفر حسن اس وقت تک میرے پاس رہا' تو اس کا فیصلہ اس کے نام سے شامل رکھا جائے گا۔

یہاں کی علمی کیفیتیں پھر کسی وقت لکھوں گا۔ ظفر حسن اور عزیز احمد سلام کہتے ہیں۔ والسلام (۷)۔

۱۶۔ جنوری ۱۹۲۵ء

کل پروگرام کی دس کاپیاں بھیج دی گئی ہیں۔ مسعود استانبول سے چلا گیا۔ اگرچہ اس

نے صراحتاً" نہیں بتلایا، مگر میرا اندازہ ہے کہ وہ ہندوستان پہنچ گیا ہوگا۔

حواشی:۔

(۱) مولانا سندھی کی اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیدائی مرحوم ان کے سیاسی پروگرام سے متفق تھے۔ اس کے باوجود مرحوم نے ایک بار راقم الحروف سے کہا تھا کہ وہ مولانا سندھی کو عالم دین تسلیم کرتے ہیں ' سیاستدان نہیں مانتے۔

(۲) مولانا عزیر گل اسیر مالٹا نے راقم الحروف سے ایک ملاقات میں فرمایا تھا کہ مولانا سندھی میں ایک بڑا نقص یہ تھا کہ وہ ہر شخص پر اعتبار کرلیتے تھے اور اپنا سیاسی پروگرام بلا تکلف اسے بتا دیتے تھے۔ مولانا عزیر گل کا یہ انٹرویو ماہنامہ برہان دہلی ماہ اگست ۱۹۸۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۳) سوامی شردھانند شدھی تحریک کا بانی اور آریہ سماجیوں کا رہنما تھا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ اس نے تحریک خلافت کے خاتمہ کے لیے انگریزوں کے ایما پر شدھی تحریک شروع کی تھی۔ (سرگذشت کابل ص ۸۶)۔

(۴) یہاں مولانا سندھی کی دور اندیشی کی داد نہ دینا بڑی بے انصافی ہوگی۔ وہی ہوا جس کا انھیں خدشہ تھا۔

(۵) پاکستان کی موجودہ حکومت نے جب نفاذ شریعت کا بیڑا اٹھایا تو بلا سود بنک کاری اور نفع نقصان میں شراکت کی بنیادوں پر بنک کاری شروع کر کے شاہ ولی اللہ اور مولانا سندھی کی دیرینہ خواہش پوری کی ہے۔

(۶) عبد الرحمان پشاور کے رہنے والے تھے۔ وہ ڈاکٹر انصاری کے طبی وفد کے ساتھ ترکی گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اتاترک نے انھیں افغانستان میں سفیر مقرر کیا تھا۔

(۷) خط کے آخر میں مولانا نے اپنا نام نہیں لکھا۔

(۲۳)

محترمی!

سلام مسنون۔ آپ کا خط بہت انتظار کے بعد موصول ہوا۔ مگر جس مطلب کے ہم منتظر تھے' اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں پایا۔

میں تو ہمیشہ سے آپ کے طرز اور کام کا پسند کرتا ہوں۔ فقط ایسے موقع پر جہاں ہم آپس میں ٹکرا جاتے ہیں' البتہ تکلیف ہوتی ہے۔ کامریڈ رائے آپ کے کام کو کبھی پسند نہیں کرتے۔

ہمارے پروگرام کا جو اثر اس سال کانپور و علی گڑھ میں ظاہر ہوا' آپ تو کاہے کو پڑھتے

ہوں گے۔ احمد حسن نے کسی قدر پڑھا ہے اور ہماری بات چیت بھی ہوئی۔ ادھر مرکز میں بھی اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ ہم نے اب اس کا انگریزی ترجمہ چھپوانے کی طیاری کرنی ہے۔ بعض الفاظ بدل دیے ہیں، بعض فقرات چھوڑ دیے ہیں، جن سے خواہ مخواہ دل آزاری کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں۔

اس وقت ہمارے تمام فیصلہ جات آپ کے خط پر معلق ہیں۔ آپ بھی ذرا اسے اہمیت دیجیے۔ اگر ہم کسی طرح حجاز پہنچ سکتے ہیں تو ظفر اور عزیز کا کام ایک طرح ہو گا ورنہ دوسری طرح۔ اس لیے سب پریشان ہیں۔ یہاں تک گھر مارچ تک کے لیے کرایہ پر لیا ہوا ہے ۔ اب تک کوئی نیا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ آپ جانتے ہوں گے؟ آرام دہ گھر ماہوار کرایہ پر سستے نہیں ملتے۔ وہ ایک سال کے لیے یا کم از کم شش ماہ کے لیے لے جاتے ہیں۔ گذشتہ سال جس میں ہم رہے ہر طرح سے بہترین گھر تھا۔ یکم اپریل کو ہمیں چھوڑ دینا چاہیے یا آیندہ سال کے لیے کرایہ منظور کرنا چاہیے۔ ہم اپنے مستقبل کے خیال سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔

میرا خیال ہے اگر راستہ کا اطمینان ہو جائے تو روپیہ بقدر ضرورت ہم کہیں نہ کہیں سے 'قرض ہی کے نام سے سہی' لے سکیں گے۔ ایام حج میں ابھی تک موتمر کا خیال نہیں چھوڑا گیا' اگر ہمیں کوئی دوست مل گیا تو اچھا ہو گا۔

غرض بار بار اس پہلے مضمون کی تاکید کے سوائے اور کوئی خیال لکھنے پر طبیعت نہیں آتی۔ والسلام

عبیداللہ

سب کی طرف (سے) محبت آمیز سلام قبول فرماویں۔

۹ر مارچ (۱۹۲۵ء)

(۲۴)

مکرمی 'سلام مسنون!

عرصہ گزرا میں نے آپ کو خط نہیں لکھا۔ ہمارا کوئی فیصلہ نہیں تھا۔ کابل سے ایک دفعہ ہمارے واپس جانے کی اجازت آگئی تھی مگر اس وقت وفد کے انتظار میں نہ جا سکا۔ وفد کے آنے میں جب مایوسی ہوئی تو میرے طیار ہونے پر اطلاع ملی کہ اس وقت نہیں جا سکتا' بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس زمانہ میں ہمارا روپیہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا سا معاملہ تھا۔

مسعود نے ہندواپس جانے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتا رہا۔ اسے مجبوراً" برٹش سفارت خانہ میں بھی جانا پڑا۔ خیال تھا کہ اس کے فیصلہ پر آپ کو لکھوں گا۔ اس وقت تو وہ اپنے حالات آپ کو لکھتا رہا ہو گا۔ مسعود کی طیاری مکمل ہو گئی۔ جمعہ کو کہتا ہے کہ دو شنبہ کو چلا جاؤں گا۔ پاسپورٹ مکمل ہو گیا۔ اس کی بعد دوسرے ہفتہ پر ملتوی ہوا' پھر تیسرے ہفتہ پر' آخر لوگوں نے ہمیں دق کرنا شروع کیا کہ اب تو مسعود بھی سفارت خانہ سے روپیہ لیتا ہے' آپ اسے منع نہیں کرتے۔ ہم نے عذر کر دیا کہ جب وہ ہندواپس جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اب مسعود نے اپنا فیصلہ یک لخت بدل دیا کہ میں ترکی میں رہ کر حربیہ کالج میں تعلیم پاؤں گا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس تبدیلی کے اسباب کیا ہیں؟ اور ہم ضروری بھی نہیں سمجھتے کہ ہم اس سے واقف ہوں مگر اس کے بعد ہمارے ساتھ رہنے کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے علاحدہ ہوتے وقت ہمارے پاس شاید دس بیس لیرے سے زیادہ نہیں تھے (۱)۔

ہم نے مجبوری میں نائب سالار کو ماسکو تار دیا۔ الحمد للہ اس نے ہمیں روپیہ بھیج دیا۔ اب اور چند ماہ ہم گزار سکتے ہیں۔ سنتے ہیں پھر وفد آنے والا ہے۔ دیکھیں اس کا کیا حشر ہوتا ہے؟(۲)

مسعود اب جوان ہے۔ اپنا فیصلہ خود کر سکتا ہے۔ اس لیے ہماری نگرانی یا رفاقت کی ضرورت نہیں۔

کافی زمانہ گزر گیا کہ آپ نے کتابوں کے لیے لکھا ہو گا۔ اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ مولانا عبد الرب آج کل استانبول میں ہیں۔ ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں اور عرصہ سے کسی طرف سے کوئی خط وغیرہ نہیں آیا۔ والسلام

۹۔ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ (۳) عبید اللہ

سبیل الرشاد' استانبول

کل عید ہو گی۔ اس کی مبارک یاد قبول فرمائیے۔

حواشی:

(۲) یہ وفد عبد الہادی خاں کی قیادت میں امان اللہ خان نے یورپی ممالک کو بھیجا تھا کہ وہاں کے حکمرانوں کو افغانستان کے استقلال سے آگاہ کر سکیں۔

(۳) ۹۔ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۰۔ جون ۱۹۲۶ء

(۱) یہاں جملہ تھا: "نہیں رکھتا تھا" جب کہ مکمل جملے کی ساخت کے مطابق "نہیں تھے۔" ہونا چاہیے تھا۔

(۲۵)

محترمی!

سلام مسنون۔ آپ کا خط موصول ہوا۔ اس سے پہلے تبدیلی پتہ کے لیے خط اور پروگرام کی کاپیاں بھیج چکا ہوں۔ آج آپ کو ایک ایسی خبر سناتا ہوں جس سے تھوڑی دیر کے لیے آپ پریشاں ہوں گے۔

ہمیں کامریڈ راے نے ایک سو پونڈ بھیجے۔ جس کے لیے تخمیناً "۳ ماہ سے خط و کتابت ہو رہی تھی اور ۳۰ پونڈ ایک ہندوستانی نے بھیجے۔ اس میں ۳۰ پونڈ یا قدرے کم آپ کو بھیجنے والا تھا مگر کل کسی نے تمام رقم صندوق کھول کر چرالی (۱) چور معلوم داراست، لیکن واپس ملنے کی امید نہیں۔ ڈاکٹر منیر بیگ سے ایک سو لیرہ قرض لیا ہے (۲)۔

سنا ہے کہ ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں کو سیاحت کا پاسپورٹ مل گیا ہے اور وہ تخمیناً" مئی میں استانبول آئیں گے۔ واقعی وہ لوگ آگئے تو امید ہے کہ اپنی ضروریات کے لیے ان سے روپیہ لے سکوں گا۔ آپ اگر اپنی ضرورت کو اور دو مہینہ موخر کر سکتے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ روپیہ (۵۰ پونڈ) ضرور آپ کو پہنچادوں گا۔ اس وقت راے سے بھی نہیں کہہ سکتا۔ اگر لکھوں بھی تو تین ماہ سے پہلے امید نہیں۔

یہاں اسمبلی (۳) نے ترجمہ قرآن کے لیے ایک انجمن کے قیام اور اس کے خرچ کی ایک مقدار قبول کرلی ہے۔ مگر اندرونی پیچیدگیوں سے عمل میں دیر لازمی ہے۔

آپ کے خطوط اپنی جیب میں رکھتا ہوں اور پھر جلادیتا ہوں اطمینان رکھیں۔ والسلام

۱۵۔ مارچ (۱۹۲۵ء) عبید اللہ

پہلے پتہ پر خط اگر لکھا جائے تو وہ بھی ضایع نہیں ہوگا۔

حواشی:

(۱) ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں کہ چوری کا شبہ محمود نام کے ایک ہندوستانی پر ہوا۔ جو سورت کا باشندہ تھا۔ وہ پہلی عالمی جنگ میں انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر عراق آیا اور اپنی رجمنٹ سے فرار ہو کر ترکوں کے ساتھ مل گیا۔ وہ استنبول میں گائیڈ کا کام کرتا تھا۔ (آپ بیتی، ج ۲، ص ۱۱۲)

(۲) یہ رقم ظفر حسن ایبک نے ڈاکٹر منیر بک کو اپنی تنخواہ میں سے ادا کردی تھی۔ (آپ بیتی، ج ۲، ص ۱۱۳)

(۳) یہاں اسمبلی سے مراد ترکی کی قومی اسمبلی ہے۔

(۲۶)

مکرمی!

سلام مسنون۔ آپ کا خط مورخہ ۶' جولائی آج ۱۲ر جولائی کو ملا۔ اس سے پہلے ایک خط جناب حکیم صاحب (۱) کے لیے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اب وہ خط انھیں نہیں مل سکے گا۔ آپ اس خط کو کھول لیں اور شروع کے ایک دو پیرے جو حکیم صاحب کے لیے لکھے ہیں' وہ نقل کر کے اپنے خط میں انھیں بھیج دیجیے۔ چوں کہ ڈاکٹر صاحب (۲) استانبول آتے ہیں' اس لیے جو کچھ ڈاکٹر صاحب کے لیے لکھا گیا ہے' وہ انھیں یا جناب حکیم صاحب کو دکھلانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ خط آپ مجھے واپس کر دیں۔ آپ کا وہ خط جو حکیم جی نے لکھا ہے اور میرے پاس محفوظ ہے۔ اگر آپ چاہیں گے تو بھیج دوں گا۔ میری طبیعت سخت برہم ہو گئی تھی۔ جب میں یہ سمجھا کہ ان میں سے کوئی بھی استانبول نہیں آتا۔ اب اگر ڈاکٹر آتے ہیں تو اس قدر افسوس نہیں رہتا۔ اگرچہ جناب حکیم صاحب کی خدمت میں جو میرے جذبات تھے اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ مگر کام کے متعلق بات چیت کرنے کی گنجایش باقی ہے۔ بعد از ملاقات آپ کو حالات لکھ دوں گا۔ والسلام (۳)

حواشی:

(۱) یہاں حکیم صاحب سے اجمل خاں مراد ہیں۔

(۲) یہاں ڈاکٹر صاحب سے ڈاکٹر مختار احمد انصاری مراد ہیں۔

(۳) خط کے آخر میں مولانا نے اپنا نام نہیں لکھا

(۲۷)

مکرمی!

سلام مسنون۔ آپ کی صحت یابی سے مسرت ہوئی۔ کیا واقعی کتابیں مولوی محمد علی نے بھیج دیں۔ اس پر ان کا خاص شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

اب خوف ہے کہ کہیں راستہ میں نہ روک لی جائیں۔ اس لیے براہ مہربانی آپ اپنے پاس رکھیں۔ جب کوئی معتمد آدمی آنے والا ہو گا' منگالوں گا۔

اس وقت مجبوراً" روپیہ ڈاکٹر منیر بیگ سے قرض لیا جس سے تکیہ چھوڑ کر ایک سستا

مگر ہوادار متوسط درجہ کا گھر باسفورس کے کنارہ پر کرایہ پر لیا ہے۔ سنا ہے ڈاکٹر انصاری اور حکیم جی یورپ کی سیاحت کے لے آرہے ہیں اور وہ استانبول بھی آئیں گے۔

ظفر حسن نے اب بہت اچھے مقالے لکھنا شروع کردیے ہیں۔

طہران وغیرہ مقامات کے متعلق کچھ عرصہ بعد کام شروع کرسکیں گے۔ عبدالرحمان بک سلام کہتے ہیں۔ والسلام

۱۲۔ اپریل ۱۹۲۵ء عبیداللہ

(۲۸)

محترمی، سلام مسنون!

آپ کے کئی خط اور ہدیہ عزیز پہنچا کیے۔ جب سے یہ یقین ہوتا جاتا ہے کہ میں اپنے پیارے بزرگوں کی زیارت کرسکوں گا(۱)۔ میں اپنا دماغی توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایک ایسی کیفیت طاری ہے کہ ان کے متعلق ہر ایک بات سننے سے مسرت پیدا ہوتی ہے لیکن ایک لفظ بولنے یا لکھنے کی تاب نہیں۔ کئی دفعہ ان کی خدمت میں نیاز نامے لکھے اور پھاڑ دیے۔ اسی ضمن میں آپ سے بھی مکاتبت بند ہوگئی۔

میری پرزور خواہش ہے کہ آپ سے مل لوں کہ کوئی بات پورے غور کے بغیر ان کے سامنے نہ کہوں۔ جب سامان ایسے نہیں تو یہ ایک تمنا ہی ہوکر رہ جاتی ہے۔ کیا مولانا ابوالکلام استانبول نہیں آئیں گے؟

"پیام مشرق" نہایت بلند مرتبہ نظم ہے لیکن اس کے شروع میں چار ورق پیش کش کے ایسے لکھے ہیں گویا دودھ میں مردہ مکھیاں دانستہ ابالی گئی ہیں۔

آپ فرماتے ہیں "مسلم ہندی شکم رابندہ" کاش ہمارے ڈاکٹر اپنے محبوب "بخارا' کابل' شیراز" سے واقف ہوتے۔ میں نے اپنے نسخہ میں یہ چار ورق کاٹ کر علاحدہ کردیے ہیں۔ میں اب ان کے "سربنے" کی فلاسفی کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ کاش ہمارا ملک الشعرا ایسی لغزش سے محفوظ رہتا(۲)۔

پروگرام ضبط ہونے کی خبر آپ پڑھ چکے ہوں گے، مگر اس سے پہلے ہندوستانی لیڈروں (ہندو، مسلم) نے اسے پوری دلچسپی سے پڑھ لیا ہے۔ اردو اخبارات نہیں ملتے، جس نے ذرا کیفیت واضح ہوتی۔ والسلام عبیداللہ

۱۲۔ جولائی (۱۹۲۵ء)

ظفر، زکریا، عزیز، فتح محمد سلام کہتے ہیں۔

حواشی:

(۱) مولانا سندھی مکہ کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۶ء میں شرکت کرکے برعظیم کے مسلم رہنماؤں سے ملنا چاہتے تھے۔ اس خط میں ان کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا گیا ہے۔

(۲) پیام مشرق کے دیباچے میں علامہ اقبال نے قومیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ مولانا سندھی کو اس مسئلے میں ان سے شدید اختلاف تھا۔

(۲۹)

پیارے شیدائی، سلام!

سلام مسنون!

کپتان نے آپ کی سفارش کا بہت خیال رکھا۔ دوسری صبح ہمیں ملنے آیا۔ ہمارا کمرہ بدل دیا۔ ۴ بستروں والے کمرے میں نہایت آرام سے سفر کررہے ہیں۔ کھانے کا پورا آرام ہے۔ آپ کی محنت اچھا پھل لا رہی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

آج ہم نے کپتان سے کہا، تمہارے دوست کو تمہارا شکریہ لکھ رہے ہیں۔ کپتان خوش ہوا اور کہا آپ جدہ سے لکھیے۔ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے دوستوں کو ان کی نسبت اچھے الفاظ لکھ دیں۔ اس کا اثر اچھا رہتا ہے۔

احمد حسن کو ہمارا سلام لکھ دیجیے گا۔ والسلام(۱) عبید اللہ

۱۲۔ اگست (۱۹۲۶ء)

Sig.Sehadai

RayGiacomoSpadaeini

PiazzaOberdan2Milano

حاشیہ:

(۱) یہ خط ایک پکچر پوسٹ کارڈ پر اٹلی سے جدہ جاتے ہوئے جہاز پر لکھا تھا۔ خط پر تاریخ مرقوم ہے، لیکن سنہ ندارد۔ اتفاق سے اس پر محکمہ ڈاک کی ۱۹۲۶ء کی مہر ثبت ہے۔

(۳۰)

مکرمی!

سلام مسنون! انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ مسرت حاصل ہوئی۔ میری خواہش پر آپ نے چند ماہ صبر کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ اس کا نتیجہ تلخ نہیں ہوگا۔

کچلو کے استعفا کے بعد مولانا ابوالکلام خلافت کمیٹی کے صدر ہوئے۔ چند ماہ میں یہ موالات وعدم موالات کا جھگڑا فیصل ہو جائے گا۔ مذہبی جماعتوں میں نہ جرات ہے نہ کوئی صحیح فیصلہ' اس لیے لڑائی ہوتی رہے گی۔ مگر اس کا نتیجہ نکالنا قبل از وقت ہوگا کہ سیاست اور مذہب جدا ہو رہے ہیں۔

سیاسی رہنما باوجودیکہ مذہبی زندگی بسر کرنے کے عادی نہیں 'علاحدہ نمایندگی کی حمایت کیے جاتے ہیں۔ جب تک ان میں ایسا انقلاب نہ آجائے کہ مسلمانوں کی نمایندگی فقط مسلمانوں کے لیے مخصوص نہ رہے۔ اس وقت تک یہ نظریہ نہیں بن سکتا۔

نئی تنظیم کمیٹی مسلمانوں کی علاحدہ نمایندگی پر زیادہ زور دے رہی ہے۔ ادھر سنگھٹن والے اسی اصول پر جا رہے ہیں۔

اتحاد پرستوں کی آواز میں وہ قوت نہیں رہی۔

کچلو نے سال بھر انتظار کیا۔ ترک موالات کے ساتھ تنظیم ناممکن ثابت ہوئی۔ اس لیے موالاتیوں سے مل گیا۔ لیکن مسلمانوں میں کامل آزادی ہند کا نصب العین رکھنے والے وہی تارک موالات کمیٹی والے ہوں گے اور اس نصب العین پر قائم رہنا بھی معمولی بات نہیں ۔ آپ نے حکیم جی اور ڈاکٹر کی چٹھی پڑھی ہوگی جو انھوں نے لوزان سے گاندھی کو لکھی کہ وہ اپنا نصب العین کامل آزادی قرار دے چکے ہیں(۱)۔

کاش ہمیں تبادلہ خیالات کے لیے ملنے کے لیے موقعے میسر آتے تو اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔ ظفر حسن اگر آئے تو ایک حد تک مجھے زیادہ معلومات بہم پہنچیں گے مگر پھر بھی میری طبیعت خود ملنے کے لیے بے چین ہے۔ دیکھیں کیا صورت پیش آتی ہے۔ والسلام۔

۲۵۔ اگست ۱۹۲۵ء عبیداللہ

حاشیہ:

(۱) یہاں حکیم جی سے حکیم محمد اجمل خاں اور ڈاکٹر سے ڈاکٹر مختار احمد انصاری مراد ہیں۔ یہ دونوں حضرات جون ۱۹۲۵ء میں یورپ کی سیاحت کے لیے گئے تھے۔ حکیم صاحب ان دنوں بحالی صحت کے لیے لوزان میں

مقیم تھے۔ حکیم صاحب نے ان ایام میں شیدائی مرحوم کو متعدد خط لکھے تھے جو راقم الحروف نے ماہنامہ برہان دہلی، بابت ستمبر ۱۹۸۰ء میں طبع کروادیے ہیں۔

(۳۱)

مکرمی، سلام مسنون!

آپ کا خط کافی انتظار کے بعد ملا۔ جب آدمی کسی کام میں موفق ہو جاتا ہے، اس وقت ہمارے ہندوستانی (احباب) کی نظریں اس پر پڑنے لگتی ہیں۔ آپ کے خلاف پروپیگنڈا اس خیال میں تو قابل مبارک باد ہی سمجھتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے ٹھوس کام کی لندن میں خاصی اہمیت ہے۔

مسٹر رائے کے خلاف آپ نے مجھے کبھی نہیں لکھا اور نہ میں نے کسی سے یہ کہا ہے کہ آپ سے مجھے معلوم ہوا۔ زکریا سے میں نے آپ کے اخبار کے متعلق ایک دو دفعہ ذکر کیا ہے۔ وہ اردو اخبار استانبول سے نکالنے کا خیال کرتے تھے۔ میں لوکل حالات سے واقفیت کی بنا پر اس وقت اسے ممکن نہیں سمجھتا تھا۔ ان کے سامنے یہ کہنا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، خواہ مخواہ بیوقوف بننے کے برابر ہے۔ اس لیے آپ کا ذکر کردیا کہ شیدائی روم سے نکالنا چاہتے (ہیں)۔ کیا وہ کافی نہیں ہوگا؟ بس اس کے سوا آپ کی کوئی بات میں نے ذکر نہیں کی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مسٹر رائے کے متعلق کوئی قابل توجہ بات آپ نے نہیں کی۔ آپ نے جو کچھ لکھا وہ میرے لیے دلچسپ نہیں تھا۔ اس لیے اسے یاد رکھنا یا کہیں ذکر کرنا مشکل تھا۔

آپ کا کوئی کاغذ میرے پاس نہیں۔ تمام خطوط عرصہ پہلے میں اپنے ہاتھ سے جلا چکا ہوں۔ اطمینان رکھیں۔

سپہ سالار نے ظفر کو نہیں بلایا، بلکہ روک دیا ہے۔

زکریا شروع میں چند روز دوستانہ ملتا رہا۔ اس کی ذہنیت سے ہم جیسے واقف تھے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اسے ضرورت ہے کہ جو کام ہو، اس کا اسے علم رہے۔ یہ تو بری بات نہیں مگر اس کے ساتھ ہی ضروری ہے کہ وہ بہت بلند مانا جائے۔ جہاں اس کے ساتھ کام کرنے والے نہ پہنچ سکیں۔

کابل میں احمد حسن کی رقابت کا جھگڑا رہا۔ یہاں ظفر حسن کے لیے وہی مصیبت ہے۔ میں نے جب سے نیا پروگرام لکھا ہے، اس وقت سے ظفر چوں کہ میرا ساتھی ہے اس لیے

اس لو ہر معاملہ میں ترجیح دیتا ہوں اور دیتا رہوں گا۔ اب عرصہ ہوا زکریا اور ہمارا کوئی اشتراک عمل نہیں۔

آپ کا خط میں نے پڑھا ہے۔ جب ملا اسے دے دوں گا۔ مگر معاف کیجیے گا مجھے یہ طرز پسند نہیں آیا۔ زکریا خود پسند ہے مگر بیوقوف نہیں۔ اس میں ایک مرض ہے، دوست اس کا مرض بڑھاتے ہیں۔ مجھے اس معاملہ میں خاموش رہنا چاہیے تھا مگر طبیعت برداشت نہیں کر سکی۔ اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کبھی دخل نہیں دوں گا۔ اطمینان رکھیں۔ آپ اپنا کام اچھی طرح سمجھ کر چلا سکتے ہیں۔ اس لیے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

ہاں یہ تو بتائیے! اگر کبھی حجاز جانے کا سامان ہمیں مل جائے تو اطالوی جہاز سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں (۱)؟ اس مسئلہ پر کافی غور کر کے کبھی لکھیے گا۔ ظفر، (اور) عزیز سلام کہتے ہیں۔ والسلام

عبید اللہ

۲۳۔ ستمبر (۱۹۲۵ء)

حاشیہ:

(۱) اس کا ذکر، پہلے آ چکا ہے۔

(۳۲)

مکرمی، سلام مسنون!

واقعی آپ کا تیسرا خط آیا اور میں ایک دفعہ بھی نہ لکھ سکا۔ اس کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ میں نے ایک ماہ سے تنبا کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ سگریٹ، نسوار یا کوئی اس کا بدل استعمال نہیں کرتا۔ اس لیے قلم ہاتھ میں لینا مشکل ہو گیا تھا۔ ایسے ہی خیالات میں انتشار بھی اس کا لازمی اثر تھا۔

حجاز کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا میرا بھی یہی مطلب تھا کہ پہلے اطالوی سمالی لینڈ میں جائیں پھر وہاں سے حجاز جا سکیں (۱)۔ اس کے متعلق کوئی جلدی تو ہے نہیں۔ کیوں کہ جب تک سفر خرچ نہ ہو کہاں جا سکتے ہیں۔ آپ ہی آپ اس مسئلہ پر توجہ کرتے رہیں گے۔ ممکن ہے کسی وقت سامان میسر آ جائے تو انسان جا سکے۔

رہا زکریا آفندی کا مسئلہ! یہ کوئی نئی چیز تو ہے نہیں کہ اس پر تعجب کیا جائے۔ ہم نے خود یہ "غم نداری بز بخر" کا سودا خریدا ہے۔ اس لیے ہمیں تو کوئی شکایت نہیں۔ ہمارا خیال تھا

کہ وہ بھی ذرا ستالے گا اور ہمیں بھی ممکن ہے کچھ مدد دے سکے۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ وہ جب تک مایوس تھا نہایت نرم و شریں رہا اور جب اس کے پانوں جم گئے تو اپنی طبیعت کا اثر دکھلانے لگا۔ ہماری تو خیریت ہے۔ پہلے کون سی امیدیں اور توقعات باندھے بیٹھے ہیں کہ اس میں کمی آکر ہمارے لیے تکلیف کا باعث بنے گی لیکن اس کا اثر جو زکریا آفندی کی ذات پر ہو گا' ہمارے خیال میں وہ اس کے لیے مفید نہیں۔

یہاں ایک محفل میں زکریا و اس کا ایک رفیق اور ہم دونوں جمع ہوئے۔ اس رفیق نے ہم سے بھی پوچھا' زکریا کے اظہار بھی لیے اور فیصلہ اس کے خلاف کر دیا۔ معلوم ہوا اس کے بعد زکریا آفندی یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔

آپ جانیں اور آپ کا زکریا۔ جس کا جی چاہے چھوٹا بن جائے۔ ہماری تو مصیبت یہ ہے کہ چھوٹے بن کر بھی نجات نہیں ہوتی۔ کیوں کہ ہم مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ "اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں" تو حریفوں کی رپٹ ناجائز نہیں ہو گی۔

شیدائی' آپ کو ایک لطیفہ سنائیں! ہندوستانی مسلمانوں کی چار جماعتیں تھیں۔ میری مراد سینوں سے ہے شیعہ اور نیچری اس میں داخل نہیں۔

(الف) بریلوی بدعتی ایکسٹر میسٹ۔

(ب) فرنگی محلی بدعتی ماڈریٹ۔

(ج) شرک و بدعت کے رد کرنے والے ایکسٹر میسٹ اہل حدیث۔

(د) شرک و بدعت کے رد کرنے والے ماڈریٹ دیوبندی۔

اب بریلوی فرنگی محلی مل کر ایک جماعت بن گئے اور اہل حدیث (اور) دیوبندی دوسری جماعت۔ کیا اب بھی آپ ترقی کا انکار کر سکتے ہیں؟ غالباً" آل انڈیا تنظیم کمیٹی میں پہلی جماعت شامل ہو گی۔ خلافت کمیٹی دوسری جماعت کی رہے گی۔ اب کے تو مولوی محمد علی قصوری (۲) بھی لیڈروں کی قطار میں داخل ہو گئے۔ بھائی مبارک ہو۔ آپ کو مٹھائی ملے تو ہمارا بھی حصہ بھیج دیجیے گا۔ دو کتابیں مانگی تھیں' وہ تو نہ بھیج سکے۔

آج کا خط تو ایک مہینہ کی کسر پوری کر جائے گا۔ ظفر اور عزیز بھی لکھیں گے۔ پھر تو آپ مسرور ہوں گے۔ لیجیے السلام علیکم۔

عبید اللہ

۳۱۔ اکتوبر (۱۹۲۵ء)

آج کا لفافہ بھی بڑا ہے۔ خاص طور پر لمبا۔

حواشی:

(۱) مولانا سندھی ابن سعود کی طلب کردہ مکہ کانفرنس میں شریک ہو کر ہندوستانی نمایندوں سے ملنا چاہتے تھے ۔ راستے میں انگریزوں کے ہاتھوں گرفتاری کا خوف تھا' اس لیے موصوف اطالوی جہاز میں سفر کرنا چاہتے تھے۔ اس کا انتظام شیدائی مرحوم نے کردیا اور مولانا سمالی لینڈ ہوتے ہوئے حجاز پہنچ گئے لیکن اس وقت تک کانفرنس ختم ہو چکی تھی اور نمایندے واپس جا چکے تھے۔

(۲) مولوی محمد علی کینٹب قصور کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انھوں نے کیمبرج میں تعلیم پائی اور کابل کے حبیبیہ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ بعد ازاں کابل کے ماحول سے دل برداشتہ ہو کر یاغستان چلے گئے۔ جہاں انھیں نے انگریزوں کے خلاف کئی جھڑپوں میں حصہ لیا۔ صاحبزادہ عبدالقیوم کی تحریک پر انگریزوں نے انھیں معافی دے دی اور وہ بمبئی جاکر تجارت میں مشغول ہو گئے۔

آزادی کے بعد موصوف لاہور میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ راقم الحروف نے انھیں دیکھا ہے ۔ ان کا چہرہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کی تفسیر تھا۔

(۳۳)

مکرمی العزیز سلمہ سلام مسنون!

میرا خط آپ کو مل چکا ہو گا۔ اس میں اس ضروری امر کا تذکرہ بھول گیا۔ میں نے امیر شکیب ارسلان (۱) کی کتاب پڑھی جو انھوں نے سید رشید رضا پر لکھی۔ اس میں ایک جگہ یہ عبارت نظر پڑی۔

الحکیم اجمل خان من زعماء مسلمی الھند اتفقت کلمة الخلق علیٰ وصفھم بالعمل والفضل والنزابته والاخلاص ولم تسعف الاقدار بان یکون بین وبینه تعارف شخصی الا انه جاء نی من رشید بک طلیع بمکانه یومئذ فی القدس کتاب یقول لی فیه "ان الحیکم اجمل خان الزعیم المسلم الھندی یوصیک بفلان من رجلا" الھند الوطنیین ان تقابله وتعتمد علیه۔ فجاء الھندی المذکور وقابلته فی منزلی بلوزان وکان موضوع

المقابلته مسئلته سیاسته لا محل لذکرها هنا و انما هی فی مصلحته المسلمین"۔

یہ ہمارا ذکر خیر ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حکیم صاحب سے امیر کی باتیں ہو چکی ہیں تو یقیناً" میری ملاقات امیر سے اس روکھے پن کی نہ ہوتی۔ آپ کو یاد ہوگا۔

عرصہ ہوا میں نے عربی ترکی مسئلہ پر جو اسلام کی مرکزیت سے تعلق رکھتا تھا' سوچنا چھوڑ دیا ہوا ہے۔ مجھے دونوں قوموں کے لیڈروں سے نفرت ہے۔ انھوں نے اپنی حماقتوں سے اسلام کو غارت کر دیا ہے۔ اسلام ایک بہت بڑے انقلاب کے بغیر ان مصیبتوں سے نجات نہیں حاصل کر سکتا' جس میں یورپ زدہ رہنماؤں نے اسے مبتلا کر دیا ہے۔ خیر اس تکلیف دہ مسئلہ کا ذکر بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ میری امیر سے ملاقات میں میری اس تلخی کا اثر ضرور تھا' جس کا مجھے افسوس ہے۔

امیر نے مہربانی کر کے میرے لیے تعارف کا رقعہ اپنے دوست کو لکھا۔ میں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا' بلکہ مجھے اس رقعہ پیش کرنے میں بعض ناگوار واقعات سے گزرنا پڑا۔ جب امیر حجاز میں تشریف لائے تو میں کسی اچھی پوزیشن میں نہیں تھا(۱) اور حقیقت یہ ہے کہ میں یہاں ایک بھیک مانگنے والا فقیر ہو کر رہنا چاہتا ہوں اور اس میں اپنے لیے قلبی فرحت پاتا ہوں۔ اب امیر سے جیسے مجھے ملنا چاہیے' ویسے تو مل نہیں سکتا۔ امیر انھیں لوگوں کا مہمان ہے جن سے میں روحانی تکلیف اٹھا چکا ہوں۔ اس کا تذکرہ کر کے میں امیر کی صحبت منغص نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ حقیقی عذر یا سبب ہے' جس سے میں امیر سے نہیں ملا۔

شیدائی اس کا مجھے نہایت افسوس ہے۔ میں امیر کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے ساتھ میں یہاں ایسے سیاسی مراقبہ میں رہتا ہوں جس میں ہمارے ہندوستانی عزیزوں کے ایک بڑی جماعت حکومت ہند کے مقرر کردہ فرائض ادا کرتے ہیں(۲)۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے کہ میں کسی پین اسلامسٹ سے یہاں ملوں اور میں ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے وہ میرا یہاں رہنا ناممکن بنا دیں گے۔

شرفائے مکہ میں سے بعض حضرات میرا کافی اعزاز کرتے ہیں اور افسوس ہے کہ ان لوگوں کو راضی رکھنے کے لیے میں آج تک ان سے نہیں ملا۔ ان میں پہلے مرحوم شیخ عبدالقادر شیبی اور ان کے جانشین حال کی مثال دیتا ہوں۔

امیر کے تشریف لے جانے پر حکومت سعودیہ کا ایک رکن مجھے ملا اور مجھ سے دریافت کیا کہ امیر سے نہ ملنے کا کیا سبب پیش آیا۔ یہ مجلس غیر رسمی تھی۔

میں نے کہا: امیر سے ہمارے سیاسی تبادلہ خیالات کرنے میں آزاد تعلقات ہیں۔ اگر امیر تمہاری حکومت کے متعلق میری رائے دریافت کرتا تو میں اسی کے متعلق جو کچھ جانتا ہوں "اگرچہ بہت کم جانتا ہوں" ضرور بیان کرتا۔ کیا تم اسے پسند کرتے؟ وہ فوراً" زور سے بولا "بالکل نہیں"۔

میں نے کہا میرا عذر واضح ہو گیا۔ امیر سے مل کر اگر انکار کرتا تو زیادہ بے لطفی ہوتی۔ اس سے یہی بہتر تھا کہ نہ ملوں۔ اس نے اسے بہت پسند کیا۔

شیدائی! آپ میری اس ندامت اور افسوس کی امیر کے سامنے پوری ترجمانی کریں گے۔ اگر انھوں نے میری معذرت قبول کر لی تو مجھے اس بشارت سے ایک طرح سے ایک نئی زندگی بخشیں گے۔

آپ کے دوسرے خط میں فیروزدین کا ذکر تھا۔ امیر کا خط مجھے پہنچا اور دونوں پاسپورٹ واقامتہ ورقہ اور ایک فوٹو کا عکس مل چکا ہے۔ میں جب وہ چیزیں اپنے ہاتھ میں دیکھتا ہوں تو قدرت الٰہی کا ایک عجوبہ کرشمہ مجسم سامنے آتا ہے۔ میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ چیزیں دیکھوں گا۔ اب "اعلم ان اللہ علی کل شی قدیر"۔

امیر کی خدمت میں سیدھا خط تو آپ کی تبشیر کے بعد لکھوں گا۔ اس وقت میری طرف سے ان کا مبالغہ آمیز شکریہ ادا کیجیے اور فیروزدین کے متعلق امیر کے سوال کا مختصر جواب عربی میں لکھتا ہوں، جسے وہ خود پڑھ لیں گے۔

اجمال الامر فی حق ہذا الرجل الذی اشتہر باسم الدکتور فیروز الدین الہندی۔ انہ کان عاملاً" فی الحکومتہ الہندیتہ فجنی جنایتہ خاف عقابہا ففر من الہند والتزم بعض شبان الانقلابین فخدعہم بالاحتیال وھو الذی کان واسطۃ فی تعارفہ عندی۔

فاعتمدت علیہ وسامحت معہ فکان یقراء علی القران العظیم بنحو سنتین وکتب اکثر ما املیتہ وفی اثناء ذلک قد

عرف کثیرا" مما جری علینا فی الاعترافت۔

فلما اراد الانفصال عنا اعترف عندی بانہ یعمل بامر بعض عمال القنصلیتہ الانکلیزیتہ بجدۃ فلا یستحق ان ینتسب الی بوجہ فاقول انہ لیس منی و کل شی عندہ من ورقتہ او کتاب او خاتم او غیرہ فاخذھا من طریقہ غیر شرعیتہ فتح الاقفال والتقط ما احب لکنہ لم یلس بنقد لا قلیلا ولا کثیرا"۔

اللھم اغفر لنا ذنوبنا و اسرفنا فی امرنا۔

امیر کے صاحبزادہ غالب ارسلان کو میری طرف سے پیار کریں اور سیدۃ ام غالب کی خدمت میں سلام عرض کریں (۶)۔

حواشی:

(۱) امیر شکیب ارسلان ایک عظیم مفکر، مورخ، مصلح اور عربی کی انشا پرداز گزرے ہیں۔ موصوف ۱۸۶۹ء میں لبنان کے قصبے شویفات میں پیدا ہوئے اور بیروت میں تعلیم پائی۔ یہیں ان کی ملاقات مفتی محمد عبدہ سے ہوئی اور امیر صاحب قاہرہ چلے گئے۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران میں انھوں نے ترکی کی حمایت کی اور اس "جرم" کی پاداش میں وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ جلاوطنی میں ان کا بیشتر وقت جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں گزرا۔ انھوں نے "لانیشن عرب" کے نام سے فرانسیسی زبان میں ایک رسالہ جاری کیا، جس میں اسلام کے دفاع، محکوم مسلمانوں کی آزادی کی حمایت اور سامراجیوں کے خلاف مضامین چھپتے تھے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں امیر موصوف برلن میں مقیم رہے۔ ۱۹۴۶ء میں انھیں وطن واپس آنے کی اجازت ملی، لیکن دو ماہ بعد ہی دسمبر ۱۹۴۶ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ مولانا سندھی ان کو یورپ زدہ بتاتے تھے۔

(۲) علامہ رشید رضا مصری، مفتی محمد عبدہ کے شاگرد رشید اور سید جمال الدین افغانی کے مشن کے داعی تھے۔ ان کی تفسیر المنار کا بڑا شہرہ ہے۔ ان کا شمار موجودہ صدی کے نامور عرب ادیبوں اور صحافیوں میں ہوتا ہے۔ ان کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا۔

(۳) امام یمن اور ابن سعود کے درمیان نجران پر قبضہ جمانے کے سلسلے میں جنگ چھڑ گئی جو کئی سال تک جاری رہی۔ امیر شکیب ارسلان نے طرفین میں صلح کرانے کی کوشش کی اور ایک وفد لے کر حجاز گئے۔ یہاں ان کی حجاز میں آمد کا ذکر ہے۔

(۴) مولانا سندھی کے خط سے مترشح ہوتا ہے کہ حرم شریف میں برطانوی حکومت کے مقرر کردہ جاسوس ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔ ان جاسوسوں کا تعلق جدہ میں مقیم نائب قونصل سے ہوتا تھا جو عموماً ہندوستانی مسلمان ہوا کرتا تھا۔

(۵) اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سعودی حکومت بھی مولانا سندھی کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی۔

(۶) خط کے آخر میں مولانا کا نام اور تاریخ مرقوم نہیں۔ تاہم قراین سے سے ظاہر ہے کہ یہ خط انھوں نے مکہ مکرمہ سے لکھا ہے جہاں وہ ۱۹۲۶ء میں پہنچ گئے تھے۔

(۳۴)

برادر مکرم زید مجدہم،

سلام مسنون!

آپ کے خطوط ملے۔ سب لوگ رخصت ہو چکے ہیں۔ میاں جی آپ کے دوست سے ملا اور دوسرے دوست سے انھیں ملا دیا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ کسی قدر غلط صحیح ہم بھی سنتے رہے۔ انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ہم واسطہ بنے رہیں۔ ذاتی طور پر ہمیں ان معاملات سے دلچسپی نہیں۔ ہم نے پیچھا نہیں کیا۔ ہمارا خیال ہے کہ واقعات آپ کو طرفین کے بیانات سے واضح ہو چکے ہوں گے۔ خان اور آپ کا مخاطب آپس میں مختلف تھے۔ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ہمارا دونوں سے مساوی تعارف تھا۔ اب وہ اپنے خصوصی معاملات میں ہمیں کیسے شریک کرسکتے ہیں۔

کسی موقع پر ہم نے بھی کہہ دیا کہ آپ کی گہری سیاسیات اسلامیہ یا بین الاقوامی میں ہماری زیادہ شرکت نہیں۔ شاید اس لیے بھی وہ ہم سے دور رہے ہوں۔ واللہ اعلم۔ ہم وہیں رہنے کی کوشش کریں گے، جہاں سے ہم عمدہ اور قوی کام کرسکیں۔

۳۶۔۵۔۳۰

ہمیں ہر وقت ایسے لوگ گھیرے رہتے ہیں جو ہمارے خیالات کی ٹوہ لگاتے رہیں۔ ہمیں کافی سے زیادہ احتیاط برتنا پڑتی ہے۔ دوستوں کے اطمینان کے لیے اگر کوئی کلمہ اگل دیں تو مفید ہونے کی صورت میں ہمیں افسوس نہیں ہوتا۔ ہماری توقع ہے کہ ہمارے عزیز ہمارے متعلق زیادہ غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوسکتے۔

۳۶-۱۲-۲۴

حاشیہ:

ا۔ مولانا مرحوم نے یہ خط مکہ مکرمہ سے لکھا ہے۔ خط پر مرقوم تاریخوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خط ۳۰ مئی ۱۹۳۶ء کو لکھنا شروع کیا اور ۲۴۔ دسمبر ۱۹۳۶ء کو مکمل کیا۔ ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ انھوں نے ہند سے انگریزی زبان میں تحریر کیے تھے۔

(۳۵)

مکرمی العزیز سلمہ اللہ'

سلام مسنون!

اللہ نواز کا فاتحہ تو مدت ہوئی میں پڑھ چکا تھا۔ مگر وہ ایسے لوگوں کے ساتھ شریک ہوگیا ہے۔ جن کی پردہ دری میرے اصول کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کے متعلق بھی خاموش رہا' ورنہ اس کے جرم اس سے بہت زیادہ ہیں۔ جتنے آپ کو معلوم ہوئے۔

احمد حسن کا واقعہ قابل افسوس ہے' مگر ہم اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ میرے کابل کے عام معاملات میں اس کا بڑا حصہ ہے اور میں ہمیشہ اس کی قدر کرتا رہا ہوں۔ اس کی فاش غلطیاں معلوم ہونے پر میں نے اس کی حمایت کی ہے۔ یہ اس کی پرانی خدمات کا اعزاز تھا ۔ مگر کابل چھوڑنے سے چند روز پہلے اس نے میرے ساتھ معاملہ بہت ہی بدل لیا تھا۔ اس کے بعض پہلو تو واضح تھے۔ یعنی وہ جس پارٹی میں کام کرے گا اس کے احکام ہم پر جاری کرنا چاہتا ہے' یہاں تک تو میں برداشت کرسکتا تھا اور آخر تک صبر کیا مگر بعض پہلو ایسے تکلیف دہ تھے جس کا نہ تو میں کسی سے ذکر کرسکتا تھا اور نہ میری عقل اس کے اسباب معین کرسکتی تھی' اور اس حالت پر صبر کرنا میری طاقت سے خارج تھا۔ اس لیے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں بتا سکتا تھا۔ استانبول سے ایک دفعہ میں نے اسے اجمالاً" متنبہ کیا۔ اس کے جواب میں اسے اجمالی اعتراف کے سوا چارہ نہیں تھا۔ اور میری ذات سے اپنی دوستی کا یقین دلایا۔ اب دیکھیے تقدیر کیا گل کھلاتی ہے۔ دو سال پہلے ڈاکٹر اپنی سرکاری ڈیوٹی پر مکہ معظمہ آیا تھا' ہماری بہت تھوڑی ملاقاتیں ہوئیں اور اکثر سرسری' لیکن اس ضمن میں ہمیں بعض واقعات کا علم حاصل ہوا جو کہنے سننے والے کے نزدیک معمولی ہیں۔ مگر ہمارے مشکل عقدہ کے لیے وہ کنجی ثابت ہوئے۔ اب ہم احمد حسن کی تمام کارروائی کا صحیح مطلب معین کرسکے۔

شیدائی! اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میری لیے احمد حسن، اللہ نواز کے درجہ پر پہنچ گیا۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر جس طرح میری طبیعت احمد حسن سے متعلق تھی ویسی نہیں رہی۔ اس پر جس قدر افسوس کیا جائے تھوڑا ہے۔ مگر واقعات نہیں بدل سکتے۔

جب احمد حسن سے ہمیں ناقابل برداشت صدمہ پہنچا تو باقی دوستوں کی دوستی کو یاد کر کے ہم زیادہ لطف نہیں اٹھا سکتے۔ ظفر حسن نے پچھلے سال ہمیں کچھ روپیہ بھیجا تھا اور ہم سے بعض معاملات میں رائے لی تھی۔ اس کا جواب ہم نے ذرا ترشی سے دیا جس کا سبب وہ سمجھ نہیں سکا ہوگا۔

ہمیں احمد حسن کی تکلیف کی خبر سے صدمہ ہوا اور جس قدر دعا ہم کر سکتے ہیں، کریں گے۔ مگر جو بے چینی گذشتہ طریقہ پر ہمیں پیش آتی اگر وہ حالت قائم رہتی، وہ آج نہیں ہے۔ احمد حسن کی ہم تعریف کرتے ہیں وہ اپنے سیاسی عقیدے کا پورا وفادار ہوتا ہے۔ اسے پورا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اعلیٰ کامیابی اور موت مساوی درجہ پر انتظار کرتی ہیں۔ خدا کرے احمد حسن مصیبتوں سے محفوظ رہے اور کیا اچھا ہو تاکہ ہمارے ساتھ پہلے کی طرح شریک ہو جاتا واللہ اعلم بسر اشرار عبادہ۔

ہندوستانی مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کانگرس میں ہے۔ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں اور جن لوگون کو ہمارا پروگرام بھی معلوم ہے وہ ہمیں اپنا سمجھتے ہیں۔ اس میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ تھوڑے دن گزرے کانگرس نے جلاوطن ہندوستانیوں کو واپس لانے کی مہم شروع کرر کھی ہے۔ اس میں ہمارا بھی ذکر آیا۔ کونسل آف اسٹیٹ میں وزیر داخلہ نے جو جواب دیا وہ سندھ کانگریس کمیٹی کے پریذیڈنٹ نے ہمارے پاس بھیج دیا۔ ہم نے اسے ۱۸ صفحہ کا خط لکھ کر اس (کے) جواب کی غلطی ثابت کردی۔ ہم نے اپنی سوانح حیوٰۃ مختصر ذکر کردی اور اپنے کاموں کو منظم سمجھایا۔ یہ نہیں کہ آج ہم کچھ کہہ رہے ہیں، کل کچھ اور کہنے لگ گئے اور اپنے مستقل پروگرام کو زیادہ وضاحت سے لکھا۔

اس لیے دوسری دفعہ کونسل آف اسٹیٹ میں سوال کرنے سے دوسرا جواب دیا کہ مولانا عبیداللہ نے ہم سے واپس آنے کے لیے سہولت نہیں مانگی۔ اس لیے گورنمنٹ جواب دینے پر مجبور نہیں۔

اب کانگریس کے لوگوں نے ہمیں بار بار لکھا کہ ہم درخواست بھیج دیں۔ اس لیے

جس قدر مشورہ کے لیے موقعہ ملا دونوں طرف سے زبردست مشورے دیے گئے۔ محمد خان کی رائے تھی کہ ہمیں لکھ دینا چاہیے۔ آخر ہم بھی اس کے موافق ہو گئے۔ ہم نے ۲۲۔ مارچ کو درخواست ہوم ممبر کے نام بھیج دی ہے۔ کل کانگریس کمیٹی سے ہمیں اس کی رسید موصول ہو گئی۔ ہم نے پہلے طویل خط میں بھی لکھا تھا کہ ہمارا یقین ہے کہ گورنمنٹ ہمیں واپس آنے کی اجازت نہیں دے گی اور اب تک بحالہ قائم ہے۔ مگر آج کل جس طرح کانگریس سے سمجھوتے ہو رہے ہیں۔ اس سے ایک دور کا امکان بھی نظر آتا ہے۔ یہاں بھی ہماری حالت کوئی زیادہ اچھی نہیں۔ اب اجنبی لوگوں کو حکومت مستقل رہنے کا موقعہ نہیں دینا چاہتی۔ اس لیے اگر کانگریس اپنی کوشش میں ناکام ہوتی ہے تو شاید ہمیں سعودی رعایا بن کر رہنا ہو گا۔

محمد خان یہیں ہیں اور وہ آپ کو خط لکھیں گے اور ہمارا سیالکوٹی مبارک علی بھی یہیں ہے۔ آج کل ہم نے رباط کا رہنا چھوڑ دیا ہے (۱)۔ مکان کرایہ پر لے کر رہتے ہیں اور مبارک علی ہمارا ہمسایہ ہے۔ وہ بھی آپ کو خط لکھنا چاہتا ہے۔ ہم نے ایڈریس دے دیا ہے۔ ہمارے متصل مکان میں عزیز احمد کی سسرال والے رہتے ہیں۔ عزیز کی بیوی بھی اسی مکان کے ایک حصہ میں رہتی ہیں۔ دونوں میاں بیوی ہمارے کھانے کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ دانت ٹوٹنے کے بعد اچھی غذا مل رہی ہے۔ ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اللہ کے فضل سے عزیز احمد سلمہ قرآن عظیم کی تفسیر اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیتا ہے۔

آپ نے بہت مختصر لکھا تھا، ہم نے مفصل لکھ دیا ہے۔ اس میں احمد حسن کے واقعات کا اشارہ فقط آپ کے لیے ہے۔ اس کے افشا کی اجازت نہیں۔ ظفر حسن کو اگر کبھی خط لکھیں تو ہمارا سلام لکھ دیجیے گا۔ مگر اس واقعہ کا کوئی اشارہ اسے نہ لکھیے گا۔ تاکید ہے۔ والسلام

۱۰-۵-۹۳۸(۱)

حاشیہ:

(۱) مولانا سندھی برعظیم میں شمسی کیلنڈر کا آغاز، محمود غزنوی کے حملے (۱۰۰۰ھ) سے کرتے تھے۔

(۳۶)

عزیز مکرم زادہ اللہ مجداً" و سلم،

سلام مسنون!

ہم نے اپنے لیے جو طریق عمل مقرر کرلیا ہے۔ اسے نہرو اس لیے پرانا کہتا ہے کہ اس میں مذہب کی مداخلت ہے اور وہ اپنے آپ کو نئے سے نئے پروگرام کا حامل مانتا ہے۔

ہمارے پروگرام میں عام سوشلسٹوں سے اگرچہ بعض مطالب میں علاحدگی ہے، مگر ہماری انقلابی روح ان سے زیادہ قوی ہے اور ہم اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو کانگرس اور سرو راجیت کی طرف مائل کرسکتے ہیں۔ اس لیے جینا کے کونسل بورڈ کی سب تائید کرتے ہیں اور ان کا فیصلہ ہے کہ اندر جاکر وہ کانگریس سے متحد ہوکر کام کریں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ گورنمنٹ اس کو تشویش کی نگاہ سے دیکھے گی یا دیکھ رہی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کامریڈ کی سزا کے ۱۳ مہینہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ وہ کانگرس مین بن جاتا ہے۔ وہ نہرو پر کافی اثر ڈال سکتا ہے۔ وہ تمام سوشلسٹ ورکروں کو اپنے ساتھ لے کر ایک متحدہ محاذ بنائے گا۔

ہمیں ایک خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاید لادینیت کا رنگ تیز کردے گا، جس سے ہمارے ہم عقیدہ اس اتحاد میں شامل نہیں ہوسکیں گے۔ اس سے کم از کم اس وقت حکمراں طبقہ اطمینان کا سانس لے گا اور ہمارے ساتھی پیچھے رہ جائیں گے۔

اس وقت ہمارے عزیز دوست کا پیام آتا ہے۔ وہ اگرچہ صاف نہیں مگر ہم اسے اپنے مفید مطلب معنی پر ہی حمل کرتے ہیں۔

اگر اسی کامریڈ نے ہمیں نقصان پہنچانا چاہا تو اس کے مقابلہ میں ایک کامریڈ ہمارے ساتھ بھی ہوگا۔ اگر ہم اس سمجھ میں غلطی نہیں کررہے تو ہم اسے تائید الٰہی سمجھیں گے اور من توشدم تو من شدی پڑھنے لگیں گے اور ہماری تمام قوتیں اس کے موافق رہیں گی۔

ہم ہند جدید پڑھ چکے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ہم مطلب سمجھنے میں غلطی کررہے ہیں تو بھائی صاحب آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ اب جذباتی تقریریں ہمیں نہیں لبھا سکتیں۔ وطن جانے کے متعلق (نامکمل)

حواشی:

(۱) جینا سے مراد محمد علی جناح ہیں۔ اس وقت تک تمام عام طور اخبارات میں استعمال ہوتا تھا

(۲) اس خط کا اسا ہی حصہ دستیاب ہوا ہے۔

حصہ سوم

اس حصے میں مولانا سندھی مرحوم کے قلم سے متفرق یادگار تحریریں ہیں

معائنہ جات

(۱)

معائنہ مدرسہ شاہی، مراد آباد (یوپی)

(۱) مدرسہ شاہی کا یہ معائنہ جو مولانا نے دسمبر ۱۹۱۱ء میں کیا تھا ماہنامہ ندائے شاہی، نمبر مراد آباد کے تاریخ شاہی نمبر نومبر پر دسمبر ۱۹۹۲ء سے نقل کیا جاتا ہے (ا۔ س)

بسم الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

آج غرہ ۵ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم مراد آباد کا معائنہ کیا۔ ابتدائی تعلیم کی اصلاح کی طرف توجہ قابل تعریف ہے۔ انتظامات میں عموماً شستگی اور ضابطہ کی پابندی نظر آتی ہے۔ آمدنی بڑھانے اور تعلیم کے ساتھ تربیت کی کوشش دیکھ کر جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

عبیداللہ

ناظم جمعیۃ الانصار۔ دیوبند

(۲)

مدرسہ جامعہ ہاشمیہ، سجاول

مدرسہ جامعہ ہاشمیہ، سجاول (سندھ) کے بارے مولانا سندھی کا ایک نوٹ اس کی وزیٹرس بک میں درج تھا، جو مدرسہ کی یازدہ سالہ رپورٹ مرتبہ حافظ عبدالغنی شاہ مہتمم مدرسہ سے ماخوذ ہے۔ اس کی دستیابی کے لیے عزیزم ثناء اللہ سومرو سلمہ کا شکر گذار ہوں (ا۔ س)

الحمد للّٰہِ العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد! یہ کتاب ایک عربی مدرسے کے لیے زائرین کے آرا لکھنے کے لیے مخصوص کی جاتی ہے۔ یہ مدرسہ جامعہ ہاشمیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس بستی میں سادات بنی ہاشم کی آبادی طاقت ور ہے۔ ان خاندانوں کے اطفال اور مسافرین کے لیے اعلیٰ درجے کے عربی مدرسہ کا انتظام ہے۔ دو میل پر دوسرا مدرسہ

بھی موجود ہے۔ سب سے زیادہ مسرت کی یہ بات ہے کہ یہ دونوں مدرسے جناب سید عبدالغنی شاہ صاحب مہتمم مدرسہ کے ادارے سے چل رہے ہیں اور یہاں کے اساتذہ اور دارالسعادت کے اساتذہ مل جل کر کام کرتے ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ یہ مدرسہ اور اسی کے نمونے پر مسلمانوں کی ہر آبادی میں عربی مدرسہ قائم ہو جائے۔ واللہ ہوالموفق۔

عبیداللہ سندھی

(۳)
معائنہ مدرسہ قاسم العلوم، تھری چانی۔ ضلع سکھر

مولانا سندھی کا یہ معائنہ مدرسہ کی روداد بابت سال ۸۲ ۔ ۸۱ ۱۳ھ مرتبہ محمد ہارون ناظم مدرسہ سے ماخوذ ہے بہ شکریہ ثناء اللہ سومرو سلمہ (ا۔ س)

یہ مدرسہ حضرت مرشدی وسیدی مولانا امروٹی قدس سرہ نے جاری کرایا تھا۔ اس میں وہ سب علوم اس طرح پڑھائے جائیں گے، جیسے کہ اب تک قاسم المعارف سندھ کے اصول کے موافق جاری رہے ہیں۔ اس کی دینیات کی تعلیم دارالعلوم، دیوبند کے ہفت سالہ کورس کے مطابق رہے گی۔ واللہ المستعان۔

عبیداللہ سندھی

(۴)
سندھ ساگر اکاڈمی۔ امروٹ شریف
(۲)

مذکورہ الصدر معائنے کے موقع کی یا کسی دوسرے موقع کی ایک تحریر کا اقتباس حافظ نذر احمد صاحب نے جائزہ مدارس عربیہ (مغربی پاکستان) میں نقل کیا ہے۔ یہاں درج کیا جاتا ہے (ا۔ س)۔

..... انگریزی کے ساتھ کتابیں پڑھنے کے بعد قاسم العلوم میں ایک نئی جماعت کا اضافہ ہوگا۔ وہ سیاست میں اپنے فیصلے سے کام کریں گے۔ ان کو ایک نظام کا پابند رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے سوچنے کا طریقہ متعین کر دیا جائے۔ قاسم العلوم میں ان کی ذہنیت امام ولی اللہ دہلوی اور مولانا محمد قاسم دیوبندی کے فلسفے کی پابند رہے گی۔ اس امر کو واضح کرنے کے لیے انگریزی داں طبقے میں قاسم العلوم کا کوئی دوسرا نام رکھنا ضروری ہے۔ وہ نام ہے: محمد قاسم ولی اللہ تھیا

لوجیکل اسکول، تھرپچانی"۔

اس لیے مدرسہ کی دو مہریں بنوالی جائیں۔ قاسم العلوم، تھرپچانی، عربی حرفوں میں اور محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل اسکول، تھرپچانی" انگریزی حرفوں میں۔

۲۔ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۷۔ مئی ۱۹۴۴ء

رسالہ و کتب

(۱)

ماہنامہ قائد، مراد آباد

ماہنامہ قائد، مراد آباد کے بارے مولانا سندھی کی یہ رائے رسالے کے ایک اشتہار سے ماخوذ ہے اور اس کے لیے عزیزم ثناء اللہ سومرو سلمہ کا شکر گزار ہوں۔ رسالے کے مدیر انتظامی حکیم انظار احمد کا تعلق دیوبندی مکتبہ فکر سے تھا(ا۔ س)

قائد کے متعدد نمبر دیکھ چکا ہوں۔ اس کے اراکین ادارہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں۔ یہ ایک ترقی کرنے والی جماعت کا آرگن ہے۔ میں اپنے مشورے اس کو دیتا رہوں گا۔ ممکن ہے میرے اظہار خیالات کا یہ ایک آلہ بن جائے۔ میں اپنے دوستوں کو اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

عبید اللہ سندھی الدیوبندی

۳۰۔ مئی (۱۹۳۹ء)

(۲) حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی کی تصنیف "اسلام کا اقتصادی نظام" کے بارے میں حضرت مولانا سندھی کی رائے گرامی۔ بہ شکریہ عزیزم ثناء اللہ سومرو۔ بعد کا ایڈیشن پہلے سے جامع اور زیادہ ضخیم ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ امابعد!

میں نے یورپ کی سیاحت کی زمانے میں کئی نئی اقتصادی تحریکوں کا مطالعہ کیا۔ ان تحریکوں کے بعض حصے اسلامی تعلیمات کے مطابق تھے۔ بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات ہی سے ماخوذ ہیں۔ لیکن بعض حصے ایسے بھی شامل تھے جو تمام ادیان عالم کے یکساں خلاف ہیں اور ان تحریکوں کے مالک ان کے حذف کرنے پر راضی نہیں۔ اس میں ذرہ بھر کسی

قسم کا مبالغہ نہیں سمجھنا چاہیے، اگر کہا جائے کہ ان تحریکوں کے چلانے والے اپنے اپنے مصالح کا لحاظ مد نظر رکھ کر اس لادینی حصے پر خصوصیت سے زور دیتے ہیں اور اس کے حذف پر کسی طرح بھی راضی نہیں ہوتے۔

میں جس قدر اسلامی ممالک کی مختلف اقوام (ترک، عرب، ایرانی اور افغانی وغیرہ) کے مفکرین سے مل سکا، انھیں اقتصادی نظام کی تفتیش میں غیر مطمئن حالت میں پایا۔ میں اگرچہ حجۃ اللّٰہ البالغہ مصنفہ حکیم الہند الامام ولی اللہ الدہلوی کے اصول پر بعض مشکلات کا حل پیش کرتا ہوں، لیکن میں اپنا فکر کتابی شکل میں مدون نہیں کر سکا۔

میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ ملیہ نہیں پاتا کہ آج بحمد اللہ اس کے لطف وکرم سے اردو میں ایک مطبوع رسالہ، جس کا نام ہے "اسلام کا اقتصادی نظام" مطالعے کے لیے ملا اور مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ دقیق النظر اور بدیع الاسلوب رسالہ ان تمام سوالات کا شافی وکافی جواب دیتا ہے، جو ایک ترقی پسند مسلمان کو پریشان کر رہے ہیں۔ اگرچہ میرا فکر بنک کے معاملات میں مصنف کے بعض افکار سے فی الجملہ مختلف ہے۔ لیکن اس ایک معمولی استثنا کے بعد اس تمام تحریر کو اطمینان بخش سمجھتا ہوں اور ان کی آرا کو احترام سے دیکھتا ہوں اور میں اس تصنیف کی اہمیت اس قدر مانتا ہوں کہ اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں جلدی اور ضرور ہونا چاہیے۔

اور چوں کہ مصنف مولانا حفظ الرحمان سلمہ اللہ واصلہ الی اکمل الکمالات۔ میرے اساتذہ کرام کے دیوبندی سلسلے میں منسلک ایک نوجوان مفکر ہے، اس لیے میں اس کتاب پر فخر محسوس کرتا ہوں۔

اس مشکل فن میں مصنف کی یہ پہلی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے صحت کے ساتھ طویل عمر دے تاکہ وہ اپنے افکار کو ذروہ عالیہ تک پہنچائے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو اپنے مطالعے کی وسعت سے اس کے آیندہ ایڈیشن زیادہ مکمل صورت میں تیار کر لیں گے۔ فقط۔
واللہ ہو الموفق۔ ونظارۃ المعارف، دہلی

جامعہ ملیہ، دہلی

عبید اللہ السندی الدیوبندی

۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۹ ہندی

سابق ناظم، جمعیۃ الانصار، دیوبند

(۳)

ترتیب نزول قرآن

حضرت مولانا سندھی کی یہ رائے گرامی محمد اجمل خاں کی تالیف "ترتیب نزول" قرآن کے بارے میں ہے اور اس کے انڈیا اور پاکستان کے ایڈیشنوں میں شامل ہے۔ یہاں پاکستانی ایڈیشن سے اخذ کر کے شامل کی جاتی ہے (ا۔ س)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان قرآن حکیم کو انسانیت کے لیے آخری پیام ربانی مانتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ اس عقیدے کو آج کی ذہنیت سے قریب لانے کے لیے قرآن دنیا کو انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام دیتا ہے

اس طرح مطالعہ کرنے والے کی فکری ضرورت کا خیال رکھا جائے تو سب سے پہلے اس تحریک کا نصب العین معین ہونا چاہیے۔ جسے ہم هو الذی ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله میں مضمر دیکھتے ہیں۔ (ناظرین سے، ہم سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس آیت کی تفسیر ازالۃ الخفاء کی جلد اول کے ابتدائی صفحات میں ضرور مطالعہ کریں)

اس کے ساتھ ساتھ پارٹی پروگرام کی ضرورت ہوگی، جسے قرآن کی متعدد سورتوں میں حزب اللہ کے لیے تفصیلی احکام دے کر مکمل کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ایک مرکزی جماعت کی تشکیل ضروری ہوگی، جو اس پروگرام کو چلانے کی ذمہ داری قبول کرے اور اسے ہر نشیب و فراز کے مناسب تبدیلی کا پورا اختیار ہو۔ ہماری نظر میں "السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه میں اسی جماعت کا اثبات مقصود ہے۔

ان مفکرین کو دوسرے مرحلہ میں ایسی سوسائٹی کی ضروت محسوس ہوگی جو تمام انقلابی نظریات پر حاوی ہو چکی ہو۔ اس سوسائٹی کے کارکن جس وقت موقعہ دیکھیں گے، انقلابی گورنمنٹ قائم کرلیں گے۔ جو پرانی حکومتوں کو توڑے گی، اپنے پروگرام پر نئی حکومت پیدا کرے گی۔ اسلامی عقائد و اخلاق اور اسلامی حکومت کی درمیانی کڑی یہی انقلابی سوسائٹی ہے

۔اس کے احکام و نظریات مشتبہ رہنے سے تسلسل فکر قائم نہیں رہتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر زمانے کے مناسب پروگرام بنانے میں قرآن حکیم سے مدد نہیں مل سکتی۔ ہمارے فقہا گورنمنٹ کے احکام بھی عقائد و اخلاق کی طرح ضبط کر دیتے ہیں جس سے ایک قسم کا جمود پیدا ہو تا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم اگرچہ اس ساری داستان میں سے صرف اس قدر یاد رکھتے ہیں کہ زانی کا رجم اور چور کا ہاتھ کاٹنا ضروری ہے، تاہم ان کی کوشش تفصیلی احکام کے جمع کرنے میں بہت زیادہ قابل قدر و شکر ہے۔ جزاہم اللہ۔

اگر اس کے ساتھ ساتھ کوئی بندہ خدا اس انقلابی سوسائٹی کے احکام جدا کر دیتا جو گورنمنٹ کے لیے بمنزلہ علت موجبہ ہے تو مفکرین کی ساری مشکلات حل ہو جاتیں۔ گورنمنٹ اور سوسائٹی کے احکام ممتاز کرنے کے لیے قرآن عظیم کی مکی اور مدنی صورتوں کا معین کر لینا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے مکی زندگی میں یہی کام کیا کہ عدم تشدد (اہنسا) کی پابندی سے ایک ایسی عالیشان اجتماعی انقلابی جماعت طیار کر دی۔ جس کی نظیر پھر دنیا نہیں دیکھ سکے گی۔

جن لوگوں کو المہاجرین کا لقب دیا گیا ہے وہ تو مکہ کے رہنے والے تھے۔ آپ تعجب کریں گے کہ مدینہ کے الانصار بھی مکی زمانے ہی میں طیار ہوئے۔ انھیں دو عنصروں سے مستقل مرکزی جماعت بن سکی ہے، جس نے مدینہ میں اسلامی حکومت پیدا کر دی۔

قرآن عظیم کی ہر سورت کے متعلق مفسرین کے پاس روایتیں موجود ہیں کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی یا مدینہ میں۔ لیکن متعدد سورتوں کے متعلق روایتیں اس قدر مختلف ہیں جن کی تطبیق و ترجیح بہ آسانی ممکن نہیں۔ بعض احکام کی تاریخ ان روایتوں کی تغلیط کرتی ہے۔ محقق مفسرین اپنے مسلمہ نظریات کی مدد سے ان روایتوں کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔ اس لیے یہ روایتی سلسلہ ناقابل اطمینان ہو گیا ہے۔

مولانا محمد اجمل خاں بالقابہ کا ان مفسرین پر ہمیشہ احسان رہے گا۔ انھوں نے اندرونی شہادت کی مدد سے مکی سورتوں کے معین کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ اور روایات کے اختلاف سے جو اغلاق پیدا ہوا تھا اسے دور کرنے کی پوری کامیاب کوشش کی ہے۔

مولانا محمد اجمل نوجوان مسلمان کے لیے قابل تقلید نمونہ ہیں۔ وہ گیتا کا ترجمہ کرتے

ہیں۔ وہ قرآن کے احکام میں صحیح نظام پیدا کرنے کے لیے جد وجہد میں مصروف ہیں۔ اس طرح وہ ہندوستانی مسلمان کے لیے نیا پروگرام معین کرنے کی صلاحیت پیدا کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمارا نوجوان جو بے انتہا قوت عمل کا مالک ہے شعر و شاعری سے چکر پروگرام سوچنے میں مصروف ہو جائے۔ اس کا نصب العین دھندلا ہے۔ وہ اسلامیت اور ہندوستانیت میں تطبیق نہیں دے سکتا۔ اس گرد و غبار کو قرآنی نظریات ہی سے صاف کرنا ہوگا۔ جسے مولانا اجمل خاں نے شروع کیا ہے۔

اگر جامعہ (ملیہ، دہلی) کبھی قرآنی تحقیقات کے لیے فیکلٹی قائم کرے تو میں اس کے سامنے شہادت دینے کو طیار ہوں کہ مولانا محمد اجمل خاں کو ڈاکٹر مان لیا جائے۔ واللہ ھو الموفق۔

عبید اللہ

۲۳۔ دسمبر ۱۹۴۰ ہندی

بیت الحکمۃ، جامعہ نگر، دہلی

(۴)

تفسیر سورہ مزمل و سورہ مدثر

بشیر احمد، بی اے لودھیانوی نے مولانا سندھی کے درس قرآن سے استفادے کے بعد سورہ مزمل اور سورہ مدثر کی تفسیر مرتب کی تھی۔ مولانا نے اس کے مطالعے کے بعد یہ رائے لکھ کر انھیں دی تھی۔ یہ تفسیر "قرآنی دستور اور انقلاب" کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ مولانا کی یہ رائے اس کے ساتھ شامل ہے۔

(ا۔ س)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم ۱۹۳۹ ہندی میں واپسی وطن پہنچے۔ اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے۔ مولوی بشیر احمد صاحب بی۔ اے لودھیانوی، ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لیے مسلسل ملتے رہے۔ وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے۔ اس طرح انھوں نے کئی سو صفحے تیار کر لیے۔ انھوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصہ پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا۔ اس لیے وہ ہمارے طرز تفکر کا انقلابی نقطہ تدریجا" سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہمارا فکر لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعے سے

پھلائیں۔

ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلق علمی مرکز میں، جس کا "نام محمد قاسم ولی اللہ کالج آو تھیالوجی" تجویز کیا ہے' ایسے ہی استاد کی ضرورت تھی۔ ہم نے انھیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنالیا ہے۔ انھوں نے اپنے افکار کانمونہ سورہ مزمل اور سورہ مدثر کی تفسیر میں پیش کرناپسند کیا ہے۔

ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کرلی ہیں۔ مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش کی محنتوں کاہم پر خاص اثر ہے' اس لیے ہم نے اس رسالے پر نظر ثانی منظور کی۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمہ داری میں ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یاد داشتیں اس طرز تفکر کے مطابق بنالیں۔ واللہ المستعان۔

عبیداللہ سندھی

سند فراغت واجازہ تعلیم وارشاد

حضرت مولانا احمد علی لاہوری حضرت امام سندھی کے تلامذہ میں ایک خاص شان علمی کے بزرگ تھے۔ وہ اپنی خدمات قرآن حکیم اور خصائص تدریس و تفسیر کی بنا پر پورے دیوبندی مکتبہ فکر میں "شیخ التفسیر" کے معزز لقب سے معروف ہیں' حضرت مولانا سندھی نے ۱۳۳۶ھ (۱۹۲۸ء) میں مدرسہ دارالرشاد (پیرجھنڈا) کے زمانہ قیام میں سند فراغت و اجازہ عنایت فرمایا تھا لیکن وہ ۱۹۱۶ء میں نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کی نظامت کے زمانے میں پولس کی تلاشی اور حضرت لاہوری کی گرفتاری کے وقت پولس کی تحویل میں گئی اور پھر نہ مل سکی۔ دوبارہ حضرت لاہوری نے ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) میں سفرحج کے موقع پر مکہ مکرمہ زاد اللہ شرفہا میں مولانا سندھی سے سند کے لیے درخواست کی اور مولانا نے ازراہ شفقت دوسری سند عنایت فرمادی۔ حضرت سندھی کا یہ شرف نامہ معہ اردو ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری ازڈاکٹر اول دین اخگر لاہور' (۱۹۸۶ء) کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے(۔س)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و اله و صحبه و سلم۔ امابعد! فیقول

العبد عبیداللّٰہ بن الاسلام ان الصالح السعید المولوی احمد علی علی اللاهوری هو ابن اخی حبیب اللّٰہ بن الاسلام کفلته لنز نذ به ابواه فکان عندی منذ کان ابن ثمانیه سنین بمنزلته اعز اولادی فاخذ عنی علوم الالیة والعالیة وتربی بمدامی منی ومسمع حتی اجزته له روایة القرآن العظیم والحدیث وغیرهما من العلوم سنة ۱۳۲۶ھ اذ کنت بدار الرشاد واستجزت له عن شیخی شیخ حسین بن محسن الانصاری فاشتغل بالتعلیم والتدریس ثم مکدر اخذه القرآن العظیم عنی وحجة اللّٰہ البالغة ومایناسب ذلک اذ کنت بدهلی واشتغل بتعلیم الکتاب والسنة ونشرهما فی شبان المسلمین وشیوخهم فافاد بارک اللّٰہ فیه واجاد فما کانت له حاجة الی تجدید الاجازت لکن امدها سالنی بعد مالقینی بمکة ۱۳۴۶ھ ان أکتب له الاجازة واشافهة بها فاقول انی اجزت للمولوی احمد علی بن حبیب اللّٰہ بن الاسلام ان یدوی عنی جمیع ما اجازنی به مشائخی العظام علیهم من اللّٰہ تحیه والسلام من العلوم الشرعیة والادبیة والعقلیة عموما" والکتاب العزیز ودواوین السنة المستند المؤطا والصحیحین وسنن ابی دواؤ والترمذی والنسائی وفتح الباری للحافظ و مصنفات

حكيم الامة الشيخ الاجل ولى الله الدهلوى مثل فتح الرحمان والفوز الكبير والمصفى وحجة الله البالغة وغيرها ومصنفات اثباته مثل الشيخ الاجل عبدالعزيز الدهلوى والشيخ الشهيد محمد اسمعيل الدهلوى والشيخ الاجل محمد قاسم النانوتوى خصوصا" لئلا يتجاوزنى التاويل عند الحاجة عن مسلك هولاء الاحبار وليعلم انى اروى الشيخ الاجل الذى انتهت اليه رياسة الدين بالهند الشيخ محمود حسن الديوبندى عن الشيخ محمد قاسم النانوتوى عن الشيخ محمد اسحاق الدهلوى و شيخنا شيخ الهند يروى عن الشيخ عبدالغنى بلا واسطة ايضا" وشيخنا يروى عن حافظ الحديث الشيخ احمد على السهار نفورى عن الشيخ محمد اسحاق و شيخنا يروى عن الشيخ عبدالرحمان البانى بتى عن الشيخ محمد اسحاق واجازنى الشيخ حسين بن محسن الانصارى اليمانى عن الشيخ محمد بن ناصر الحازمى عن الشيخ محمد اسحاق واخذت عن جماعت من الشيوخ اسانيدهم تنتهى الى الشيخ محمد اسحاق الدهلوى عن الشيخ عبدالعزيز الدہلوى عن ولى الله الدهلوى والتفصيل موكول الى الارشاد و يانع الجنى وغيرهما من الاثبات فانى اجزت المولوى احمد على اجازة عامة شاملة لجميع ما ارويه وجملة وكيلا ان يجيز عنى من راه اهلا لذلك ممن ادرك حياتى واوصيه و بنفسى بتقوى الله وتدبر فى كتاب الله والاعتصام بسنة سيد المرسلين صلى الله عليه واله وسلم و نسة الشيخين من خلفائه الراشدين

والاجتناب عن الافراط والتفريط وارجو منه ان يشركني ومشائخي الكرام في صالح دعواته واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمين المجيز۔

عبيداللّٰہ بن الاسلام نزيل مكة كتبه في اخر ايام تشريق۔ بمكة سنة ۱۳۴۶ھ۔

ترجمہ

تمام تعریفوں کا مستحق وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا پرور دگار ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلام ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے ۔ امابعد!

سعید وصالح مولوی احمد علی لاہوری جو میرے بھائی حبیب اللہ بن اسلام کے بیٹے ہیں۔ جو میری تربیت میں اس نذر کی وجہ سے رہے جو ان کے والدین نے مانی تھی ۔ یہ میرے پاس اس وقت سے قیام پذیر رہے جب کہ ان کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ یہ میرے نزدیک میری عزیز ترین اولاد جیسے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے علوم آلیہ (صرف ونحو وغیرہما) اور علوم عالیہ (حدیث، تفسیر وفقہ) حاصل کیے اور یہ میرے زیر تربیت رہے۔ درس کی تکمیل پر ان کو میں نے قرآن عظیم اور حدیث وغیرہ علوم کی روایت کی اجازت دی۔

۱۳۲۶ھ میں جب کہ میں دار الرشاد میں تھا اور ان کے لیے میں نے اپنے شیخ حسین بن محسن انصاری سے بھی اجازت لے لی ۔ جس کے بعد مولانا تعلیم اور تدریس میں مشغول ہوگئے ۔ مگر پھر دوسری بار ترجمہ قرآن عظیم اور حجۃ اللّٰہ البالغہ اور اس کے مناسبات مجھ سے حاصل کر لیے، جب کہ میں دہلی چلا آیا۔ جس کے بعد مولانا احمد علی صاحب پوری محنت کے ساتھ مسلم نوجوانوں اور بوڑھوں میں اشاعت قرآن مجید اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سر گرم عمل رہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت اور اثر سے مشرف فرمایا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد کسی وجہ سے (اصناعة سندات) مکہ مکرمہ کی ملاقات ۱۳۴۶ھ پر انھوں نے مجھ سے دوبارہ اجازت طلب کی

چناں چہ میں اب بھی مولوی احمد علی صاحب بن حبیب اللہ بن اسلام کو اجازت دیتا ہوں کہ موصوف کو میری طرف سے اجازت ہے کہ تمام علوم شرعیہ ادبیہ، عقلیہ، خصوصاً" قرآن عزیز، موطا، صحیحین، سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، حافظ کی فتح الباری، مصنفات حکیم الامۃ شیخ اعظم ولی اللہ الدہلوی مثلاً" فتح الرحمان، الفوز الکبیر، المصفیٰ، حجۃ اللّٰہ البالغہ، وغیرہا اور آپ کے تلامذہ اور پیروان باوقار شیخ اجل عبدالعزیز دہلوی، شیخ محمد اسماعیل، دہلوی شیخ اعظم محمد قاسم نانوتوی کی تصانیف کی اجازت دیتا ہوں تاکہ آپ بوقت ضرورت ان بزرگوں کے مسلک سے باہر قدم نہ رکھیں۔ میری اپنی اجازت شیخ اعظم ہند کے مرجع العلماء شیخ محمود حسن دیوبندی سے ہے۔ ان کو حضرت شیخ عبدالغنی دہلوی سے ان کو شیخ محمد اسحاق دہلوی سے (تحویل) اور اسی طرح حضرت شیخ الہند کو بلاواسطہ شیخ عبدالغنی سے بھی اجازت حاصل ہے اور ہمارے شیخ حافظ الحدیث شیخ احمد علی سہارنپوری سے بھی روایت کرتے ہیں جو کہ حضرت شیخ محمد اسحاق سے روایت فرماتے ہیں (تحویل) اور اسی طرح شیخ عبدالرحمان پانی پتی سے بھی روایت جو کہ شیخ محمد اسحاق سے روایت فرماتے ہیں (تحویل) اسی طرح مجھ سے شیخ حسین بن محسن انصاری نے اجازت فرمائی جن کو شیخ محمد بن ناصر حازمی سے اور ان کو شیخ محمد اسحاق سے حاصل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس میں چند دوسرے اصحاب سے بھی روایت کرتا ہوں، جن کی سند شیخ محمد اسحاق دہلوی تک پہنچتی ہے۔ حضرت شیخ محمد اسحاق، حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی سے روایت کرتے ہیں، جس کی تفصیل کتاب الارشاد اور یانع الجنی وغیرہما میں موجود ہے۔ پس میں مولوی احمد علی صاحب کو ایسی عام اجازت دیتا ہوں جو میری تمام روایات کو شامل ہے اور میں ان کو اپنا وکیل مقرر کرتا ہوں کہ وہ جس کو اہل سمجھیں اس کو اجازت دیں۔ جن لوگوں نی میرا زمانہ پایا ہو میں اپنے آپ کو اور ان کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ کو اپنا شعار بنائیں اور کتاب اللہ میں تدبر، سنت نبویؐ سے اعتصام، خلفاء راشدین کے طریق کو مشعل راہ بنائیں اور افراط و تفریط سے مجتنب رہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ مجھے بھی اور میرے معزز اساتذہ کو اپنی دعاؤں میں یاد فرماویں۔

عبیداللہ بن اسلام

آخر ایام تشریق مکہ معظمہ ۱۳۴۶ھ

دیگر تحریرات

چندہ ہلال احمراور دارالعلوم' دیوبند

چندہ ہلال احمر کے بارے میں مولانا سندھی کی یہ تحریر جو چندے کی اطلاع اور ترغیب پر مشتمل ہے۔ ماہنامہ القاسم 'دیوبند کے شمارہ ذی الحجۃ ۱۳۳۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۲ء میں شامل ہے۔ رسالے کے مضامین میں صرف مولانا سندھی کا نام ہے' لیکن تحریر کے خاتمہ پر (حافظ) محمد احمد کے دستخط بھی ہیں۔ چوں کہ یہ ایک اپیل اور اطلاعی تحریر ہے اور مقالہ کی حد کو نہیں پہنچتی۔ اس لیے اس مجموعے میں اسے شامل کرلیا ہے (ا۔س)

اسلام نے تہذیب اخلاق' تدبیر منزل سیاست مدن کے قالب میں خدا پرستی (توحید) اور ضروریات دار آخرۃ کی روح ڈال کر اپنے متبعین کی دنیاوی واخروی کامیابی کے تکفل کا جیسا دعوی کیا اور پھر اسے پورا کر دکھلایا۔ قرون اولی کے مسلمان اس پر گواہی دے رہے ہیں۔ ان کے اس یقین نے (کہ جس ترقی پر اسلام کا کوئی حصہ قربان کرنا پڑے۔ وہ ہلاکت ہی ہلاکت ہے) ان کی پیش قدمی کے لیے ایسا شاہراہ صاف کردیا۔ جس میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کرسکی۔ اسلام اگر ضروریات زندگی کے لیے جامع قانون پیش نہ کرتا بلکہ وہ چند تخیلات اور رسومات (نام نہاد عبادات) کا نام ہوتا۔ تو مسلم خانہ داری' لین دین' حکومت وغیرہ معاملات میں مذہبی قیود سے آزاد ہو کر اپنی عقل یا غیر قوموں کی تقلید کو رہنما بنانے میں معلوم نہ ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ یورپ کی واحد اسلامی سلطنت پر ریاست ہائے متحدہ کے ظلم وتعدی کے حملوں نے مسلمانان عالم ہی کو نہیں ہلادیا' بلکہ رحم دل انصاف پسند غیر مسلموں کے دلوں میں بھی ہمدردی' کا جوش پیدا کردیا ہے۔

لیکن مسلمانون کی ہمدردی کے لیے فقط ایک ہی سبب انسانی ہمدردی' کا نہ تھا جس میں مسیحی اور ہندو بھی ان کی طرح حصہ دار ہیں۔ بلکہ مذہبی اشتراک کی خصوصیت نے ان کے لیے ہمدردی دل سوزی اور اعانت کا دوسرا راستہ کھول دیا۔ جس کی بنا شرعی فتوی پر تھی۔ اور مسلمانان ہند اسی وجہ سے قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اپنے مذہبی فرض کو بروقت سمجھا اور اس کی تعمیل میں ہر ممکن کوشش سے کام لیا۔

الحمد للّٰہ کہ دار العلوم نے اپنے محترم بانیوں (قدس اللہ اسرارہم) کی اس سنۃ حسنۃ کو مرنے نہیں دیا۔ جو ۷۸-۱۸۷۷ء کی جنگ روس و روم کے موقعہ پر فراہمی چندہ میں ان بزرگواروں نے جاری کی تھی۔ اس وقت باوجود عام بے حسی کے بعض خاصان حق نے لاکھ سے زائد روپیہ قونصل بمبئی کی معرفت بھجوایا تھا۔

دار العلوم کا فتوی (جو گذشتہ نمبر میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں) اب تک مختلف طور پر ایک لاکھ سے زیادہ چھپ کر شایع ہو چکا ہے۔ دار العلوم اور اس کے متعلق مدارس کے مدرسین اور طلبہ کے وفود قصبات اور دیہات تک ہند کے تمام اطراف میں دورہ کر کے روساد علما اور مشائخ اور عوام کو متوجہ کرتے رہے ہیں۔ محض ان لوگوں کے مواعظ اور اس جماعت کے مساعی جمیلہ سے ایک بڑی مقدار جس کا تخمینہ ۳۰ لاکھ روپیہ سے کم نہیں کیا جاتا' مقامی انجمنوں اور اخبارات کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اراکین دار العلوم کی معرفت بھی ۷۵ ہزار سے زیادہ جمع ہو چکا ہے اور یہ روپیہ عموماً" نیشنل بینک کے توسط سے پریزیڈنٹ ہلال احمر قسطنطنیہ کے نام سے پہنچایا گیا ہے۔

ہم وفود دار العلوم کے دورہ اور خاص دیوبند میں جو روپیہ جمع ہو کر براہ راست قسطنطنیہ بھیجا گیا یا اراکین دار العلوم کی کوششوں سے جمع ہو کر بھیجا گیا ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری اشاعت میں درج کریں گے۔

محمد احمد عبید اللہ

(۲)

دار العلوم دیوبند
میں
حکمۃ الامام ولی اللہ دہلوی کا احیاء

ذیل میں مولانا سندھی کی ایک اپیل درج کی جاتی ہے جو دار العلوم دیوبند حکمۃ ولی اللّٰہی کی تدریس کے لیے ایک کلاس کے اجرا کے اخراجات کے لیے کی گئی تھی اور الفرقان بریلی بابت ماہ رمضان ۱۳۶۰ھ میں شایع ہوئی تھی۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان نے ایک شذرہ بھی اس اپیل کی تائید میں تحریر فرمایا تھا۔ (ا۔ س)۔

منتظمین دار العلوم درجہ تکمیل قایم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس میں حضرت مولانا

محمد قاسم اور امام ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان کی کتابیں بھی حضرت شیخ الہند کی تجویز کے موافق پڑھائی جائیں گی۔ اس وقت دار العلوم میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ مستقل قیام رکھتے ہیں جو اس سلسلہ کے ماہر استاد ہیں۔ ان کے ساتھ اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم بہترین معاون ثابت ہوں گے۔ ان کی صحبت میں ہمارے نوجوان استاد کثرت سے تیار ہوتے رہیں گے۔

دار العلوم کے طلبہ میں معتدبہ تعداد ان حضرات کی کتابیں پڑھنے کا شغف رکھتے ہیں۔ اس لیے تو کلا" اس درجہ کو آج سے بہت پہلے شروع کر دینا چاہیے تھا۔

شعبان کی حاضری میں مجھے ایک ذی اثر بزرگ کے ذریعے معلوم ہوا کہ انتظامی فیصلہ میں چوں کہ قرار پا چکا ہے کہ جب تک بیس طلبہ کے لیے دس روپیہ ماہوار کا وظیفہ بہم نہیں پہنچتا یہ کام شروع نہیں ہو سکتا۔ مجھے اسی بزرگ نے یقین دلایا کہ اگر کسی صورت میں اس روپیہ کا انتظام ہو سکے، تو وہ ذمہ لیتے ہیں کہ آیندہ شوال سے یہ درجہ کھول دیا جائے گا۔

میں اپنی کمزور حالت میں ارادہ کرتا ہوں کہ ۲۰۰ روپیہ ماہوار وظائف تکمیل کیے لیے ایک سال تک دار العلوم کو پہنچاتا رہوں۔ میں یہ روپیہ اپنے اسی بزرگ دوست کے توسط سے دار العلوم کے خزانہ میں داخل کرانا چاہتا ہوں۔ اس مطلب کو حاصل کرنے کے لیے جو حالات پیش آئے ان کے اظہار کے لیے میں الفرقان کو واسطہ بناتا ہوں۔ واللہ ھوالموفق

۶۔ ستمبر ۱۹۴۱ء ہندی سابق ناظم جمعیۃ الانصار، دیوبند

بیت الحکمت، جامعہ نگر۔ دہلی

عبید اللہ سندھی

(۳)

سید مبارک لائبریری

سید مبارک جیلانی (محمد آباد، تحصیل صادق آباد - بہاول پور) علم کے ایک بڑے شائق بزرگ گزرے ہیں۔ لالہ صحرا کے نام سے انھوں نے ایک ادبی رسالہ نکالا، کتب خانے کے قیام کے لیے ساعی رہے اور کامیاب ہوئے۔ "مبارک اردو لائبریری" محمد آباد کا معروف علمی خزینہ ہے اور سید انیس شاہ جیلانی ان کے ذوق علمی میں ان کے وارث اور ان کے جانشیں ہیں۔

سید صاحب دہلی میں مولانا سندھی سے ملاقی ہوئے تھے اور لائبریری کے قیام کے سلسلے میں مولاناؒ کی رائے کے طالب ہوئے تھے۔ مولانا سندھی مرحوم کی یہ نادر تحریر جناب فہیم خاں میواتی (لاہور) کے شکریے کے ساتھ درج کی جاتی ہے (ا۔س)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ امابعد!

آج اللہ کا فضل ہے کہ میں سید مبارک شاہ صاحب سے ملا۔ میں ابتدا سے اس مبارک خاندان کو جانتا ہوں۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ وہ ایک علمی انسٹی ٹیوشن کے بانی ہیں۔

ریاست بہاول پور مسلمانوں کی ایک اچھی ریاست ہے۔اس کے اہالی میں علمی روشنی پیدا کرنے کا سامان نہایت مبارک کوشش ہے۔

میں جناب سید صاحب سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنی لائبریری میں ہمارے امام ولی اللہ کے متعلق سلسلہ کتب بھی جمع کریں گے اور جامعہ میں بیت الحکمت کی طرف بھی متوجہ رہیں گے۔

قرآن عظیم کو حجۃ اللّٰہ البالغہ کے اصول پر اگر اس زمانے کا نوجوان تفسیر کر کے یقین پیدا کرلے تو وہ آج کی دنیا میں مجمع اقوام کا سرگروہ بن سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ لائبریری اس کام کو پورا کرے گی۔ واللہ الموفق۔

۱۶۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء

عبیداللہ

بیت الحکمت۔ جامعہ ملیہ، دہلی

(۴)

سندھیا جہازراں کمپنی لمیٹڈ

مولانا سندھی نے حجاز سے کراچی کا سفر "دی سندھیا اسٹیم نیوی گیشن لمیٹڈ" کے جہاز "المدینہ" میں کیا تھا۔ مولانا مرحوم کے لیے یہ نہایت مسرت کی بات تھی کہ سندھیا کمپنی ملکی کمپنی تھی۔ چناں چہ سفر کے بعد جب کمپنی کے کسی افسر نے مولانا سے تاثرات لکھنے کی درخواست کی تو مولانا نے اپنی خوشی اور آرزو کے اس پہلو کا خاص طور پر ذکر کیا۔ کمپنی نے اپنے تعارفی کتابچے میں مولانا کی تحریر کا صرف اتنا ہی اقتباس دیا ہے۔ عزیزم ثناء اللہ سومرو کے شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے (ا۔س)

۸- مارچ ۱۹۳۹ء

..... میری دلی خواہش اور تمنا ہے کہ ہندوستانی جہاز رانی کا جھنڈا نہ صرف بحر احمر میں

لہرائے بلکہ دنیا کے ساتوں سمندروں میں لہرائے

مجھے یقین ہے کہ میری اس خواہش کو پورا کرنے میں سندھیا کمپنی کامیاب ہوگی....

عبیداللہ

آٹوگرافس

ظفر حسن ایبک

۱۹۱۵ء میں لاہور سے جن طلبہ نے کابل ہجرت کی تھی، ان میں گورنمنٹ کالج کے ایک طالب علم ظفر حسن آف کرنال (مشرقی پنجاب) بھی تھے۔ ۱۹۱۶ء میں کابل میں مولانا سندھی مرحوم سے ان کا تعارف ہوا۔ مولانا سے انھوں نے قرآن پڑھا، کابل، ماسکو اور استنبول میں مولانا کے ساتھ رہے وہ ہندوستانی کی پرووژنل گورنمنٹ، کابل میں وزارت داخلہ کے سیکریٹری تھے۔ کانگریس کمیٹی کابل اور سرور اجیہ پارٹی کے سیکریٹری اور مہا بھارت سرو راجیہ پارٹی کے پروگرام کی تشکیل میں شریک رہے تھے۔ انھوں نے اپنی آپ بیتی میں مولانا سندھی کا بہت عقیدت اور تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لیکن مولانا سندھی کا کوئی خط اب تک ان کے نام دستیاب نہیں ہوا۔ البتہ مولانا نے اپنے ساتھ ان کے ایک فوٹوگراف پر انھیں ایک بہت محبت آمیز تحریر لکھ دی تھی۔ جسے از قسم آٹوگراف سمجھنا چاہیے۔ مولانا کا یہ یادگار فوٹو آپ بیتی میں شامل ہے۔ ان کے بارے میں مولانا سندھی کی یادگار تحریر یہاں درج کی جاتی ہے۔

(ا- س)

چھوٹے بیٹوں جیسا پیارا، دس سال سے مسلسل ہر قسم کی خدمات نہایت جاں فروشی سے کرنے والا ظفر حسن، آج اسے اپنے خاص اختیارات تفویض کرنے کی یادگار میں اس عکس پر دستخط کرتا ہوں۔

عبیداللہ

استانبول، ۴- جون ۱۹۲۶ء

بشیر احمد قریشی (لاہور)

قریشی صاحب حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے شاگرد تھے۔ ۱۹۳۴ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت امام سندھی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس موقع پر انھوں نے حضرت سے آٹوگراف لیا تھا۔ قریشی صاحب کے صاحبزادہ محترم اطہر احمد قریشی کے شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے (ا۔ س)

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین
قل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

عبیداللہ

ذی الحج ۱۳۵۲ھ

سید بختیار علی

سید صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کے اولڈ بوائے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی وطن لوٹے تھے تو سید صاحب جامعہ ملیہ میں زیرِ تعلیم تھے۔ انھوں نے بہت سے اکابر کے آٹو گرافس حاصل کیے تھے جو انھوں نے ہفت روزہ مسلمان، اسلام آباد کے شمارہ اگست ۱۹۸۳ء میں چھپوادیے تھے۔

مولانا سندھی کا ایک یادگار آٹوگراف ان میں شامل ہے۔ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ (ا۔ س)

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ

جامعہ۔ دہلی

عبیداللہ

۸۔ اپریل ۹۳۹ ہندی

اعلانات و دعوات

(۱)

اہل ہند کے نام

یہ اعلان مولانا سندھی مرحوم نے حکومت موقتہ، ہند (کابل) کی جانب سے ۱۹۱۸ء میں جاری کیا تھا۔ جب کہ سردار امان اللہ خاں کی حکومت نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ یہ معاہدہ جس کا اس اعلان میں ذکر ہے، امان اللہ خاں کی حکومت اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیر داخلہ حکومتِ موقتہ، ہند (کابل) کے مابین طے پایا تھا۔ (ا۔ س۔ ش)

حکومت موقتہ، ہند۔ نظارتِ داخلہ

عارضی حکومت ہند کی خبر رولٹ سڈیشن کمیٹی کی رپورٹ میں پڑھ چکے ہو۔ یہ حکومت اس لیے بنائی گئی ہے کہ ہند میں موجودہ غاصب، غدار، ظالم حکومت کے عوض بہترین حکومت قائم ہو۔ تمھاری عارضی حکومت چار سال سے مسلسل جدوجہد کر رہی ہے۔ اس وقت جب تم نے ظالمانہ قانون کو نہ ماننے کا پکا ارادہ کر لیا، عین اسی زمانے میں حکومت موقتہ بھی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

حملہ آور فوج سے حکومت موقتہ نے معاہدہ کر لیا ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کر کے اپنے حقیقی فوائد ضائع نہ کریں، بلکہ انگریزوں کو ہر ممکن طریقے سے قتل کریں انھیں آدمی اور روپیے کی مدد نہ دیں۔ ریل، تار خراب کرتے رہیں۔

حملہ آور فوج سے امن حاصل کر لیں، ان کو رسد اور سامان سے مدد دے کر اعزازی سندیں حاصل کریں۔

حملہ آور فوج ہر ہندوستانی کو بلاتفریق نسل و مذہب امن دیتی ہے۔ ہر ایک

ہندوستانی کی جان، مال، عزت محفوظ ہے۔ فقط وہی مارا جائے گا یا بے عزت ہو گا جو مقابلے میں کھڑا ہو گا۔

خدا ہمارے بھائیوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔

عبید اللہ

وزیر حکومت موقتہ، ہند

(۲)

شکریہ و اپیل

سردار بہادر میر اللہ داد خان تالپور حضرت مولانا سندھی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا کی وطن واپسی کی خوشی میں مدرسہ مظہر العلوم، محلہ اسلام آباد (کھڈا) کے چندے میں مبلغ ایک سو روپے عطا فرمائے۔ ان کے اس اظہارِ مسرت سے مولانا خوش ہوئے اور ہفت روزہ اصلاح کے ایڈیٹر کے نام یہ چند سطریں لکھ دیں۔ (ا۔س۔ش)

میری دلی خواہش تھی کہ میرے دوست میری آمد پر خوشی کا اظہار اس طرح کریں کہ مدرسہ مظہر العلوم، کھڈا کراچی اور جمعیتہ العلماء سندھ کی حتی الوسع امداد کریں۔ میں نہایت مسرت کے ساتھ سردار بہادر کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں دارین کے مقاصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔

عبید اللہ

(۳)

اہل سندھ کے نام

یکم مئی ۱۹۳۹ء

سندھ کے باشندو! باہر کی دنیا کے مطالعے اور مشاہدے سے میں نے جو تجربہ حاصل کیا ہے، اس میں پہلا اور ضروری اصول فقط "عام تعلیم" ہے۔ عام تعلیم کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں کو پولیٹکل پروگرام سکھایا جائے یا مذہبی تعلیم پھیلائی جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہر ایک سندھی اپنی مادری زبان کو کسی بھی صورت میں کاغذ پر لکھنا سیکھ لے۔

میں ہندوستانی ہوں، مگر پورے ہندوستان میں میرا وطنی تعلق فقط سندھ سے ہے۔ اس لیے میرا فرض ہے کہ میں اپنے سندھی بھائیوں کو سندھی زبان میں لکھنا اور پڑھنا سکھانے کی کوشش کروں۔

میں اللہ رب العزت کی یہ بڑی نعمت سمجھتا ہوں کہ اس جدید اصلاحات کی اسکیم کے تحت سندھ گورنمنٹ کے تعلیمی شعبے کی باگ ڈور عالی جناب آنریبل پیر الٰہی بخش صاحب کے ہاتھوں میں آئی ہے۔ مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی ہے کہ پیر صاحب نے تعلیمی فرائض اس طرح ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس طرح خود میں نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔

اس لیے میری تمام تر طاقت یعنی پولیٹکل جماعت انڈین نیشنل کانگریس کے ممبروں اور ماننے والوں کو، میری علمی مذہبی جماعت جمعیتہ العلماء کے متبعین کو، میرے مرشدین کی خاص جماعتوں جیسے بھرچونڈی شریف کی جماعت، امروٹ شریف کی جماعت، حضرت پیر صاحب العلم (جھنڈے والوں) کی جماعت بلکہ حضرت پیر صاحب روضہ والوں (پیر پگاڑا) کی ساری جماعت اور میرے ان تمام تلامذہ کو جنہوں نے مجھ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ علمی فائدہ حاصل کیا ہے، سندھ گورنمنٹ کی اس تعلیمی اسکیم کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں حصہ لینا چاہیے۔

اس کے ساتھ میں مسلمانوں کے ایک خادم کی حیثیت سے مسلمانان سندھ سے اور ملکی خادم کی حیثیت سے ہر ایک سندھی سے، خواہ وہ کوئی مذہب رکھتا ہو اور کسی فرقے سے اس کا تعلق ہو، اپنی دلی صداقت کی بناء پر امید رکھتا ہوں کہ وہ تمام

لوگ میرے اس فرض کی ادائیگی میں عالی جناب پیر صاحب وزیر تعلیم کے حکم اور اشارے کے مطابق کام کریں گے۔

میں آخر میں اس خاص تحریک کے متعلق سندھ گورنمنٹ اور عالی جناب گورنر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ملک کی ترقی کے لیے یہ بہت ہی اچھا اور اہم قدم اٹھایا ہے۔ فقط

آپ کا خادم

عبید اللہ سندھی دیو بندی

یکم مئی ۹۳۹ ہندی

رائے گرامی

الروح فی القرآن

مکہ مکرمہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تصنیف " الروح فی القرآن " مولانا سندھی کے مطالعے میں آئی تو حضرت مولانا اس سے بہت متاثر ہوئے اور درج ذیل الفاظ میں اپنے تاثر کا اظہار فرمایا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مولانا کا یہ خط کس کے نام ہے۔ قادیانیت کے رد میں " صدائے ایمان " کے نام سے حضرت علامہ عثمانی کا ایک رسالہ ہے جو مجلس علمی ڈھابیل (سورت) نے ۱۳۵۴ھ (۳۶-۱۹۳۵ء) شائع کیا تھا، اس رسالے کے آخر میں " الروح فی القرآن " کے اشتہار میں مولانا سندھی کے خط کا یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

" اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لیے بہت بصیرت افروز ثابت ہوا۔ اس مسئلے کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے، اس برعظیم میں انھیں ایسے بہت کم ملیں گے۔ میں حضرت علامہ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی قوت بیانیہ کا ممثل جانتا ہوں۔"

بخدمت شریف

برادر گرامی قدر سلمہ

سلام مسنون - آپکا خط باطوم سے خیریت کا ملا

میں ابھی چند روز اور یہیں مقیم ہوں - انشاء اللہ

عید الفطر تک آپ سے آملونگا -

راہداری کا مسئلہ ابتک زیر بحث رہا - مگر اب فیصلہ ہو چکا ہے

میری صحت ویسی ہے - جس حالت میں آپ چھوڑ گئے

مگر امید ہے کہ بہار کے وجہ سے شاید اچھی ہو جائے -

شاید اس عرصہ میں ایک دفعہ پیٹروگراڈ ہو آؤں

اخبار ۵ جنوری کے بعد کوئی نہیں ملا - امید ہے کہ آپ

اچھے طرح ہونگے - کپڑوں کا ٹرنک مجھ سے پہلے آپ کو

نہ پہنچ سکا - تو ساتھ لے آؤنگا - عزیز القدر مسعود کو

سلام میرا خیال ہے - کہ مجھے بھول نہیں جاؤ گے والسلام

یوم یکشنبہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۳ء

تفلس . ماسکو

عبید اللہ

سب احباب کو سلام پہنچا دیں - ڈاکٹر . احمد حسن

ظفر حسن - عزیز احمد . بشیر کو . عبدالرب

سلام محبت پہنچے -